سیرت نبوی ﷺ
اور ہم
مؤلف: سید آصف علی سبزواری

مؤلف

سید آصف علی سبزواری (عام آدمی)

ازافادات مؤلف

سابق آفیسر نیشنل بینک آف پاکستان

تصدیق کنندہ

حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی

☆ امام وخطیب جامع مسجد اقصیٰ بلیز ہائٹس، بلاک ۱۸، گلستانِ جوہر کراچی

☆ فاضل جامعہ دارالخیر، کراچی

نام کتاب : سیرتِ نبوی ﷺ اور ہم

مؤلف : سید آصف علی سبزواری (عام آدمی)

ازافادات مؤلف: سابق آفیسر نیشنل بینک آف پاکستان

0302-2004072-0332-0348763

تصدیق کنندہ : حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی

امام وخطیب جامع مسجد اقصیٰ بلیز ہائٹس، بلاک ۱۸،

گلستانِ جوہر کراچی، فاضل جامعہ دارالخیر، کراچی

اشاعت اول : تاریخ: یکم ربیع الاول 1440 ہجری/

10/نومبر 2018ء

تعداد : 1000

باہتمام : محترم راؤ محمد ایوب خان، فلائٹ لیفٹیننٹ (ر) PAF

راؤ اینڈ راؤ بلڈرز اینڈ ڈیولپرز

کمپوزنگ : محمد عامر صدیقی

کراچی سینٹر، نیو ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

تصدیق نامہ

کتاب ہٰذا "سیرتِ نبوی ﷺ اور ہم" نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے بارے میں ہے جس میں نبی پاک ﷺ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور سنتِ نبوی ﷺ کے پیروکاروں کی انتہائی سہل و بہترین انداز میں رہنمائی کی گئی ہے۔اس کتاب میں مختلف اسکالرز و جید علماء کے مضامین کو اکھٹا کر کے ان کی تحقیق کے بعد لوگوں کی خیر خواہی کے لئے شائع کیا گیا ہے تا کہ یہ مؤلف اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کے یہ مضامین ہیں، صدقہ جاریہ ہو۔

سید آصف علی سبزواری صاحب نے "سیرتِ نبوی ﷺ اور ہم" میں نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کو اجاگر کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ میں اُن کی اس کاوش کی تہہ دل سے قدر اور حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔

جو کچھ سبزواری صاحب نے تحریر کیا ہے وہ میں نے اچھی طرح اور تفصیل سے پڑھا ہے جس کی میں تصدیق کرتا ہوں۔ یہ تمام مواد اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی پاک ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ دعا گو ہوں کہ رب کائنات اس کاوش کو قبول و مقبول فرمائے، آمین

مولانا محمد عتیق الرحمٰن عباسی

☆ امام و خطیب جامع مسجد اقصیٰ، بلیز ہائٹس بلاک ۱۸، گلستانِ جوہر، کراچی۔

☆ فاضل جامعہ دارالخیر، کراچی

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اور اس کائنات کا مالک ہے

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشِ خدمت ہے، قبولیت کی اُمید رکھتا ہوں۔ اِس کاوش کا ثواب اس ذاتِ گرامی کی نذر ہے جسے کسی ثواب کی حاجت نہیں بلکہ جس کا نام ہی ہمارے لیے حرفِ دُعا ہے۔ محمد ﷺ: ان سے رِشتہ ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ بات یہ ہے کہ ایسی ہر کوشش اور ہدیۂ سلام و درود سے ہماری ذات کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ اس کا ثواب میرے والدین، آباؤ اجداد اور تمام متعلقین کو پہنچا دے اور ان کو اپنی رحمت سے بخش دے اور میدان حشر میں ان پر خصوصی رحم فرما دے۔ آمین۔

☆......سید آصف علی سبزواری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

مالکِ کائنات کا اصل قیمتی دین اور فرقہ واریت

مالک کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری کائنات اور دنیا کو پیدا کرنے کا پروگرام اور منصوبہ تیار کیا اور زمین اور آسمان کو وجود میں لائے اس کا مقصد نبی پاک ﷺ کو اپنا قیمتی دین شریعت دے کر دنیا میں بھیجنا اور یہ دیکھنا تھا کہ کس انسان کا عمل اچھا ہے اور کون ہماری راہ میں اپنی جان و مال کی قربانی پیش کرتا ہے اور کون ہمارا سب سے زیادہ فرمانبردار اور عبادت گزار ہے اور آپس میں انسانوں کے ساتھ معاملات کس کے سب سے اچھے ہیں اور یہ بھی بتا دیا کہ اچھے عمل، فرمانبرداری کا صلہ جنت ہے اور نافرمانی اور برائی کی وجہ سے جہنم میں جھونک دیں گے جو کہ بہت بڑی بھڑکتی ہوئی آگ کا ٹھکانہ ہے۔

نبی پاک ﷺ نے دین کی بنیاد رکھی، لوگوں نے اس کو آگے بڑھانے کے لئے اس پر تعمیرات کیں اور خوب سے خوب تر محل تعمیر کئے۔ لوگوں نے دین کے فروغ اور بقاء کے لئے بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کیں جس کی مثال ملنا بہت مشکل ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی صحبت سے صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی جماعت تشکیل دی جنھوں نے آپ ﷺ کا فرمان غور سے سنا، اس پر عمل کر کے پوری دنیا کے لئے مثال قائم کر دی اور اپنی جان و مال سب لا کر اللہ کی راہ میں رکھ دیا اور دین کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں، اس کو پوری دنیا میں پھیلایا اور ترغیب دی کہ لوگ اس کو آگے دوسروں تک پہنچائیں۔ نبی پاک ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا کہ آج دین مکمل ہو چکا ہے اور اب اس میں کوئی ردوبدل، کمی بیشی نہیں کی جا سکتی ہے اور یہ پیغام قیامت تک کے آنے والے تمام انسانوں کے لئے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے دین کے احکامات پر نبی پاک ﷺ نے 1400 سال پہلے عمل کر

کے بتایا۔ آج بھی اور قیامت تک ان احکامات پر اسی طریقے سے عمل کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ نبی پاک ﷺ کی سنت کی پیروی لازم ہے۔

نواسہ رسول ﷺ حضرت حسینؓ جنہوں نے نبی پاک ﷺ کی آغوش میں تربیت پائی تھی، نے ایک ظالم و جابر حکمران یزید کو للکارا، کلمہ حق کہا اور اس کی بیعت کرنے سے انکار کیا جو کہ فاسق، فاجر حکمران تھا۔ ناچ گانا رقص وسرور کی محفلیں سجاتا تھا۔ یزید کے لشکر نے کوفہ میں آپؓ کو خاندان سمیت گھیرے میں لے لیا جہاں پر آپؓ کو دھوکہ دے کر بلایا گیا تھا۔ آپؓ کو مختلف قسم کی اذیتیں دیں اور آپؓ کا خاندان سمیت سب کا پانی بند کردیا۔ آپؓ کو جو کہ بہادری، ہمت اور صبر کے پہاڑ تھے، اپنے نانا حضرت محمد ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے دین کو بچانے اور اس کی حفاظت کے لئے اپنی جان و مال اور پورے خاندان کو، معصوم بچے سے لے کر بڑے بیٹے تک بلا خوف وخطر قربانی کے لئے اللہ کی راہ میں پیش کیا و رلہلہاتے ہوئے خاندان کے خون سے اس دین کی جڑوں کی آبیاری کی اور بنیادیں مضبوط کیں تاکہ اس دین میں ردوبدل، کمی بیشی کے لئے تاقیامت کوئی باطل جواز نہ پیش کر سکے۔

آپؓ کے جوان بیٹے، معصوم بچے اور خاندان والے میدانِ کربلا میں یزید کی فوجوں کے ہاتھ شہید کردئے گئے جس پر آپؓ نے اور آپؓ کے خاندان والوں نے کوئی شوروغل اور واویلا نہیں مچایا بلکہ صبر کیا۔ حضرت حسینؓ نے میدانِ کربلا میں دشمن کے نرغے میں جہاں پر چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، کلمہ حق کو بلند کیا اور تلواروں کے سائے میں نمازِ عصر ادا کی۔ باطل قوتوں کی بات نہیں مانی، دین کی حفاظت کے لئے حق پر قائم رہے، اپنی جان کا نذرانہ اللہ کی راہ میں پیش کیا اور شہید ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف باطل قوتیں، گمراہ لوگ آج بھی سرگرمِ عمل ہیں، وہ اس دین کو مٹانے، مشکوک بنانے، اس میں ردوبدل، کمی بیشی، نئ نئ ایجادات کے لئے آج بھی کوشش کررہے ہیں۔ پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں، دراصل دینِ اسلام کے اصل چہرے کو مسخ کرتے ہیں مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا خود وعدہ

فرمایا ہے اس لئے اس نے اپنی رحمت سے اس بات کا خود ہی انتظام فرما دیا ہے۔

اہلِ بدعت جب بھی اس کے حسین چہرے پر بدعات کا گردو غبار ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، علماء ربانیین کی ایک جماعت فوراً اسے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دیتے ہیں یعنی اس دور کے علماء پر یہ ذمہ داری ڈال دی گئی ہے کہ جب بھی دین میں کوئی کمی بیشی کرے تو اس کی وضاحت اور تشریح کریں تا کہ دین اپنی اصلی حالت میں قائم رہے۔

دین مختلف قسم کی ٹولیوں، فرقوں میں بٹ گیا ہے۔ لوگوں نے دین میں ردو بدل، کمی بیشی اور نئی نئی ایجادات کر کے اپنے اپنے فرقوں کے ضابطے بنا لئے، ان کے پیشواؤں نے لوگوں کو گمراہ کیا اور دینِ اسلام کو الگ الگ فرقوں میں تقسیم کر دیا اور یہ مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہیں جس کی وجہ سے دینِ اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ کچھ لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ بھی کیا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کو اسلام سے خارج کر کے دین کو ان کے شر سے محفوظ کر دیا گیا، یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ محمد ﷺ کی عزت و ناموس رسالت کی حفاظت ہم سب کی اولین ذمہ داری ہے اور نبی پاک ﷺ کی رسالت پر غیر متزلزل ایمان ہمارے دین کی بنیاد ہے۔

اصل دین مالک کائنات کا دستورِ حیات کلام پاک اور نبی پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور سنت کی پیروی ہے جو دین نبی پاک ﷺ نے 1400 سال پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا وہی اصل دین ہے جو کہ آج بھی بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی میں موجود ہے اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عمل ہو رہا ہے اور وہاں کوئی فرقہ اور ٹولیاں نہیں ہیں۔ ایک مالک کائنات کے سامنے سب سجدہ ریز ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی سنت پر عمل ہو رہا ہے، شرک و بدعات کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شرک و بدعت سے محفوظ فرمائے اور حقیقی دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

نبی پاک ﷺ کا ایک ادنیٰ امتی

سید آصف علی سبزواری

کامیابی کا راستہ، اتباع سنت

رب العالمین نے فرمایا:

آپؐ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔

رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو کبھی نہ بھٹکو گے، ایک اللہ کی کتاب قرآن کریم اور دوسری میری (نبی ﷺ کی) سنت (مشکوٰۃ، ص ۳۱)۔

الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں اور حضور ﷺ کے امتی ہیں اور اس نعمت پر جس قدر شکر ادا کیا جائے، کم ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سنتوں سے منہ موڑنے والا اور بدعات کو سینے سے لگانے والا خود کو مسلمان اور آپؐ کا امتی کہلانے کا مستحق ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں سے مسنون طریقوں کو ایک ایک کر کے نکالتے چلے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ یا تو رسوم ورواج کو فروغ دے رہے ہیں یا پھر بدعات کو۔ یہ ترک سنت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہم دنیا بھر میں ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے مجاہدات کی وجہ سے ہوا میں اڑتا ہو، پانی پر چلتا ہو یا انگاروں پر ننگے پاؤں چلتا ہو، یہ بزرگی نہیں بلکہ اللہ کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو کامل طور پر متبع سنت ہو۔

ہم صبح بیدار ہونے سے لے کر رات کو سونے تک بے شمار کام سرانجام دیتے ہیں جن میں سے اکثر کام ایسے ہیں جن کا بظاہر مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور انہیں مسلمان

اور کافر، سب ہی سرانجام دیتے ہیں لیکن یاد رکھئے! اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو ہمارے دنیوی امور کو بھی دین میں شامل کر کے انہیں عبادت بنا دیتا ہے، صرف سوچ کا زاویہ بدلنے اور مسنون طریقے اپنانے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ یہود صحابہ کرامؓ سے بطور طعنہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ تمہارا نبی (ﷺ) تمہیں استنجا کا طریقہ بھی سکھاتا ہے؟ اور صحابہ کرامؓ فخریہ طور پر جواب دیا کرتے تھے کہ ہاں! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استنجا تک کا طریقہ سکھاتے ہیں۔

ایسی معمولی معمولی باتیں سکھانے کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ ایک مسلمان مرتے دم تک اپنا ہر عمل سنت کے مطابق سرانجام دے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہماری دنیا کو بھی دین میں بدل دے گا' دنیاوی امور سرانجام دینے پر بھی آخرت میں اجر عطا فرمائے گا۔ مثلاً ہم کھانا کھائیں گے پیٹ بھرنے کیلئے' کاروبار یا ملازمت کریں گے روزی کمانے کیلئے' سوئیں گے تازہ دم ہونے کیلئے' بچوں کو پیار کرینگے اپنا دل خوش کرنے کیلئے' حقوق زوجیت ادا کریں گے اپنی تسکین کیلئے اور کھیل کود کریں گے صحت برقرار رکھنے اور تفریح کیلئے، مگر ''آم کے آم، گٹھلیوں کے دام'' کے مصداق ان تمام اعمال وافعال پر ثواب بھی حاصل کریں گے اور یہ برکت ہے صرف اتباع سنت کی۔

ہم صبح سے شام تک بہت سی ایسی سنتوں پر عمل کر کے کروڑوں نیکیاں کما سکتے ہیں جن پر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں ہوتا بلکہ کوئی خاص دشواری بھی نہیں ہوتی بس صرف عادت ڈالنے کی بات ہے اور ساتھ میں اس نیت کی بھی کہ ہم یہ کام اس لئے کر رہے ہیں کہ یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سنت ہے اور اگر دیکھا جائے تو یہی حقیقی محبت اور عشق رسول ﷺ ہے ورنہ کووں کی طرح چیخنے چلانے اور نعرے بازی کرنے سے نہ تو دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی دنیا کا۔ اگر ہم تھوڑی سی محنت کریں تو دنیا کو دین اور اپنے روزمرہ کے تمام کاموں کو عبادت میں بدل سکتے ہیں مثلاً ہم صبح نیند سے بیدار ہوتے ہی جاگنے کی دعا پڑھیں، ہتھیلیوں کو آنکھوں پر مل کر ہاتھ منہ پر پھیر لیں، پہلے دائیں پاؤں میں چپل

پہنیں پھر بیت الخلاء جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھیں اور بیت الخلاء جانے کی دعا پڑھیں، وہاں سر ڈھک کر بیٹھیں، مسنون طریقے سے استنجا کریں، بائیں ہاتھ سے استنجا کریں، باہر نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر رکھیں اور باہر نکل کر بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا پڑھیں تو دن کے ابتدائی چند منٹوں میں ہی ہم دس سنتوں پر عمل کرنے کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں اور یقیناً اس کے اثرات ہمارے دن بھر کے کاموں پر بھی پڑیں گے۔

اسی طرح دعوت وتبلیغ ایک اہم ترین سنت اور ہم سب کی ذمہ داری ہے جیسا کہ رب کائنات نے فرمایا:

تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کے نفع کے لئے نکالے گئے ہو۔ تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو (آل عمران، آیت ۱۱۰)۔

اور محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا: میری طرف سے جو تم کو پہنچے وہ دوسروں تک پہنچاتے رہو خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو (مشکوٰۃ، ص ۳۲)۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ پہلے تو خود دین کا علم حاصل کرے کیونکہ ہر مسلمان مرد وعورت پر دین کا اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے وہ اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی شرعی احکام کے مطابق گزار سکے۔ اس کے بعد اس علم کو دوسروں تک پہنچانا بھی ضروری ہے اور چودہ سو سال سے اس سنت پر عمل کا ہی نتیجہ ہے کہ آج الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں ورنہ اگر پچھلے لوگوں نے دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری پوری نہ کی ہوتی تو آج ہم اس دین سے ہی محروم ہوتے۔ اسی طرح قرآن مجید سیکھنا اور پھر اسے دوسروں کو سکھانا بھی ایک عظیم الشان سنت اور ہم سب کی اہم ترین ذمہ داری ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے (صحیح بخاری)۔

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہماری ذلت وپستی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا ہے، جو بہت دین دار تصور کئے جاتے ہیں وہ

بھی فقط تلاوت قرآن تک ہی محدود رہتے ہیں، اسے سمجھنا، سمجھانا اور پھر اس پر عمل کرنا قصہ پارینہ بن چکا ہے لہٰذا دائمی غلامی اور ناکامی ہمارا مقدر بن چکی ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن کریم کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست اور ذلیل وخوار کرتا ہے۔

صبح سوکر اٹھنے اور ہر نماز کے لئے وضو کرتے وقت مسواک بہت اہم سنت ہے جس میں دین اور دنیا دونوں کا فائدہ ہے اور یہ منہ کو صاف رکھنے کے علاوہ پائیوریا کے لئے بھی انتہائی مفید ہے اور مسواک کے مستقل استعمال سے مسوڑھوں سے خون آنا بند ہو جاتا ہے جبکہ دینی لحاظ سے تو اس کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اگر مجھے خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشکل پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم (فرض) کردیتا (صحیح مسلم، مشکوۃ)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف رکھنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی ہے (مشکوۃ)۔

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ نماز جس کے لئے مسواک کی جائے، اس نماز کے مقابلے میں جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے، ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے (مشکوٰۃ)۔

وضو کرنے میں تو کئی سنتوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ نیز وضو کے بارے میں حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے وضو کیا، خوب اچھی طرح وضو کیا تو اس کے سارے گناہ نکل جائیں گے، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی (صحیح بخاری ومسلم)۔

مزید فرمایا کہ میرے امتی قیامت کے دن بلائے جائیں گے تو وضو کے اثر سے ان

کے چہرے اور ہاتھ پاؤں روشن اور منور ہوں گے ۔تم میں سے جو کوئی اپنی روشنی اور نورانیت بڑھا سکے اور مکمل کر سکے تو ایسا ضرور کرے (صحیح بخاری)۔

وضو کے بعد تحیۃ الوضو پڑھنا بھی سنت ہے۔جیسا کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص وضو کرنے کے بعد دو رکعت پڑھے گا اس کے تمام گناہ معاف کردئے جائیں گے (ترمذی)۔

اذان کا جواب دینا اور اس کے بعد اذان کی دعا پڑھنا بھی سنت ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جو کوئی بندہ اذان سننے کے بعد یہ (اذان کے بعد والی) دعا کرے گا تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حقدار ہوگا۔

گھر میں آتے جاتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا بھی سنت ہے۔ہم میں سے اکثر لوگ گھر والوں کو یہ سوچ کر سلام نہیں کرتے کہ یہ تو عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں جبکہ رسول اکرم ﷺ گھر والوں کو بھی سلام کیا کرتے تھے اور راہ چلتے اپنے سے چھوٹوں کو بھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ:

جب تم گھروں میں جایا کرو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے (سورہ نور، پارہ ۱۸)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے جب تک ایمان نہ لاؤ اور تم ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہیں کیا کرو گے، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو گے تو تمہارے درمیان محبت پیدا ہوگی؟ ''آپس میں سلام کو عام کرو''۔

اسی طرح گھر میں داخل ہوتے وقت اور گھر سے نکلتے وقت کی دعائیں پڑھنا بھی سنت ہے۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں مسجد میں رکھیں اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا پڑھیں۔مسجد میں داخل ہوکر اعتکاف کی نیت کرلیں۔اس طرح آپ جتنی

دیر مسجد میں رہیں گے، آپ کو اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا۔ اگر مکروہ وقت نہ ہو تو مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھنا بھی سنت ہے (شامی، ج ۲)۔ مسجد کی صفائی کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے مسجد سے ایسی چیز باہر کردی جس سے (نمازیوں کو) تکلیف ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے گھر بنادے گا (ابن ماجہ، ۵۵)۔

نماز باجماعت کے لئے مسجد جانا بھی ایک ایسی بہترین سنت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص جماعت (کی نماز) کے لئے مسجد کی طرف چلے گا تو اس کا ہر قدم ایک گناہ کو مٹاتا ہے اور ایک نیکی لکھواتا ہے، جاتے میں بھی اور لوٹتے میں بھی (مسند احمد)۔

اسی طرح نماز کے انتظار میں بیٹھنا بھی فائدے سے خالی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم بہشت کے باغوں میں جاؤ تو وہاں میوے کھاؤ۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: مسجدیں۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! ان کے میوے کیا ہیں؟ فرمایا: **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر.**

فرض نماز سے پہلے اور بعد سنتیں پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جو شخص دن، رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھ لے، اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا۔ ان بارہ رکعتوں کی تفصیل یہ ہے: چار رکعت نماز ظہر سے پہلے، دو رکعت نماز ظہر کے بعد، دو رکعت نماز مغرب کے بعد، دو رکعت نماز عشاء کے بعد اور دو رکعت نماز فجر سے پہلے (جامع ترمذی، ج ۱)۔

کھانا تو دنیا کا ہر شخص کھاتا ہے لیکن ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ کھانا کھاتے وقت اپنے پیارے نبی ﷺ کی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے کھانا کھائے تاکہ اس کا کھانا دینی

ودنیوی، دونوں لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہو۔کھانا کھاتے ہوئے مندرجہ ذیل سنتوں پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کرنا چاہئے۔

حضورﷺ ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔آپ فرماتے:

میں اللہ کا بندہ ہوں اور بندوں کی مانند بیٹھتا ہوں اور ایسے ہی کھاتا ہوں جیسے بندے کھاتے ہیں یعنی اکڑوں بیٹھ کر (ابن ماجہ،ص ۲۳۵)۔

حضورﷺ کبھی بھی کھانے میں عیب نہ نکالتے تھے۔اگر چاہا تو کھالیا ورنہ چھوڑ دیا اور کبھی یہ نہ فرماتے کہ یہ کھانا برا ہے، ترش ہے، نمک کم یا زیادہ ہے، شوربا گاڑھا ہے یا پتلا ہے (مشکوٰۃ شریف،ص ۳۶۴)۔

حضورﷺ کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھتے اور جب کھانا تناول فرما چکتے تب بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے (ابوداؤد،۱۸۲)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو درمیان میں یا بعد میں یاد آنے پر اس طرح پڑھے:

بسم اللہ اولہ واٰخرہ (ترمذی ۸/۲)۔

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ حضورﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ کھانا تین انگلیوں سے تناول فرماتے تھے اور انگلیوں کو بعد میں چاٹ بھی لیا کرتے تھے (مشکوٰۃ)۔

کھانے یا پینے کی چیز میں حضورﷺ پھونک نہ مارتے اور پھونک مارنے کو برا جانتے۔ اسی طرح کھانے کو کبھی نہ سونگھتے اور کھانے کو سونگھنے کو برا جانتے تھے (مشکوٰۃ،ص ۳۷۱)۔

حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور داہنے ہاتھ سے پیو اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے (مشکوٰۃ،ص ۳۶۵)۔

نبی کریمﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ شانہ بندہ کی اس بات پر بہت ہی رضامندی ظاہر کرتے ہیں کہ جب ایک لقمہ کھانا کھالے یا ایک گھونٹ پانی پئے اور حق تعالیٰ شانہ کا

اس پر شکر ادا کرے (مشکوٰۃ، ۳۶۵)۔

جب بھی کسی سواری، بس، گاڑی، موٹر سائیکل، ریل گاڑی، ہوائی جہاز وغیرہ پر سوار ہوں تو سفر کی دعا پڑھنا سنت ہے۔

دوسرے مسلمان بھائیوں کی ہر ممکن مدد کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے کام میں لگا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ اس شخص کے کام میں لگ جاتے ہیں اور جو کسی مسلمان کی بے چینی دور کرے، اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں قیامت کی بے چینیوں میں سے اس کی کوئی بے چینی دور فرما دیتے ہیں (مشکوٰۃ ، ص۴۲۲)۔

گالی گلوچ سے گریز کرنا اور اچھے اخلاق ایک ایسی سنت ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھی بہت پسند ہے اور دنیوی لحاظ سے بھی بے شمار فوائد کی حامل ہے۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایماندار انسان کے پلڑے میں حسن اخلاق سے زیادہ کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس انسان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جو فحش کلامی کرتا ہو اور بے ہودہ بکواس کرنے والا ہو (ترمذی)۔

والدین کے بعد رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بھی احادیث میں بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی توقیر کرے، جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی اختیار کرے، جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے (مشکوٰۃ، ص۳۶۸)۔

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی اسلام میں بہت تاکید کی گئی ہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اللہ پاک کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ پاک کی قسم وہ مومن نہیں ہے، اللہ پاک کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔سوال کیا گیا: یارسول اللہ! کون مومن نہیں ہے؟ فرمایا: وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں (صحیح بخاری ومسلم)

قرآن وحدیث میں صدقہ، خیرات کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ ایک کے بدلے دس گنا، سو گنا اور بے حساب دیتا ہے۔اس لئے روزانہ کچھ نہ کچھ حسب توفیق خیرات کرنے کی عادت ڈالیئے۔آپؐ نے فرمایا:

جہنم کی آگ سے بچو خواہ کھجور کے آدھے حصے کے ذریعے کیوں نہ ہو(ابن ماجہ،ص۱۳۲)۔

ایک مسلمان کبھی بھی جھگڑالو نہیں ہوتا کیونکہ قرآن وحدیث میں لڑائی جھگڑے سے بچنے کی بے شمار مرتبہ تاکید کی گئی ہے۔

حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص کو جنت کے کنارے پر گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو جھگڑا چھوڑ دے خواہ وہ حق پر ہو۔

خیانت اور وعدہ خلافی ایسی بیماریاں ہیں جو ہمارے معاشرے میں عام ہو چکی ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے منافق کی تین علامات بیان فرمائی ہیں:

جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے(صحیح مسلم)۔

جھوٹ ایک ایسی بری خصلت ہے جو تمام گناہوں اور برائیوں کی جڑ ہے۔ہم جس پیغمبر ﷺ کے امتی ہیں وہ تو اس قدر سچ بولنے والے تھے کہ دشمن بھی انہیں صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے لیکن بدقسمتی سے موجودہ دور میں جھوٹ بولنا فیشن بن چکا ہے لہٰذا ہمیں ہر حال میں سچ بولنے کی سنت پر عمل کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ اس کو راستہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو(سورۂ زمر۔۳)۔

''یقیناً اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھ جانے والا، بہت جھوٹ بولنے والا ہو(سورۂ مومن۔۲۸)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے (مسند احمد)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑلو اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت پہنچادیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کرلیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے ہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے......اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچادیتی ہے اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہوجاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کرلیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں کاذبین میں لکھ لیا جاتا ہے (صحیح بخاری و مسلم)

یہ چند سنتیں ہیں جن پر عمل کر کے ہم اپنی دنیا وآخرت سنوار سکتے ہیں اور سچے عاشق رسول کہلا سکتے ہیں ورنہ زبانی دعوے کرنے والے تو دنیا میں بہت ہیں لیکن محض زبانی دعوے نہ تو دنیوی لحاظ سے کسی کام کے ہیں اور نہ ہی اخروی لحاظ سے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دل وجان سے اتباع سنت کرنے والا مومن بنادے، آمین۔

محسن انسانیت ﷺ کو آئیڈیل بنالیجئے

ازل سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ انسان جو بھی کام کرتا ہے وہ یا تو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر کرتا ہے یا پھر کسی کی تقلید کرتے ہوئے۔ یہ دنیا کی ریت ہے کہ کوئی شخص کسی سے متاثر ہوتا ہے تو پھر اس کی عادات واطوار، افکار ونظریات، یہاں تک کہ اس کے رہن سہن اور لباس تک کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہمارے نوجوان آج کل کرکٹ کے دلدادہ ہیں کیونکہ باقاعدہ منظّم طریقے سے اس کھیل کو ایک مثالی کھیل بنانے کی کوشش کی گئی چنانچہ آج کا نوجوان طبقہ اس کھیل کا دیوانہ ہے، وہ کھلاڑیوں جیسا لباس، ان کے انداز واطوار اپنانے اور ان کے رنگ ڈھنگ اختیار کرنے کے لئے کس وارفتگی کا شکار ہیں، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ان کا موضوع بحث یہی کھیل اور کھلاڑی ہوتے ہیں۔ وجہ وہی ہے کہ یہ کھیل ایک آئیڈیل اور نمونہ بن گیا ہے چنانچہ سارے لوگ اس کے پیچھے دوڑے جارہے ہیں۔ اسی طرح فلمی ہیرو اور ہیروئنیں بھی ہماری نوجوان نسل کی آئیڈیل ہیں لہٰذا ہر نوجوان فلمی ہیرو بننے کے چکر میں ہے اور ان ہی جیسا لباس اور فیشن اختیار کرکے خود کو بھی ہیرو سمجھنے لگتا ہے حتیٰ کہ ان کے منفی افعال کی بھی بے سوچے سمجھے نقل کرکے اکثر خود کو یا معاشرے کے دوسرے افراد کو نا قابل تلافی نقصان پہنچانے کا باعث بن جاتا ہے۔ معاشرے میں قتل وغارت میں اضافہ، ڈکیتیوں کی وارداتیں، بدمعاشی اور بدکاری کے واقعات وغیرہ ان ہی فلموں کا تحفہ ہیں کیونکہ فلمی ہیرو یہی سب کچھ کرتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آئیڈیل کا تعین کس بنیاد پر ہونا چاہئے کیونکہ اگر اس سلسلے میں ہم عقل پر اعتماد کریں تو اس میں غلطی کی گنجائش بہرحال موجود ہے کیونکہ پہلی بات تو یہ

کہ ہر شخص کی عقل نہ تو کامل ہوتی ہے اور نہ ہی سب کی عقل ایک جیسی ہوتی ہے۔ علم کا دوسرا ذریعہ ہے، وحی جو خالق کائنات کی جانب سے اپنی برگزیدہ ہستیوں پر نازل کی گئی اور جس میں انسانوں کے لئے زندگی کے نصب العین اور اس کا مقصد حیات متعین کیا گیا ہے جس پر ہم آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں کسی غلطی کی گنجائش ہے اور نہ کسی شک و شبہے کا امکان۔ قرآن کریم وحی ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الأخر و ذكر الله كثيرا

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

وحی الٰہی نے اس معاملے کو انتہائی آسانی کے ساتھ حل کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ ہی آپ کیلئے بہترین نمونہ ہو سکتے ہیں اور انہی کی حیات مبارکہ آپ کے لئے مثالی زندگی بن سکتی ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ وہ ایک رول ماڈل شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول بھی ہیں۔ انہیں دنیا کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے چنا کیا گیا ہے اور یہ ضروری ہے کہ دوسروں کی رہنمائی کے لئے اسی شخص کو منتخب کیا جائے جس کا کردار خود مثالی ہو۔ آپ ؐ کے مثالی کردار میں کس کو شک ہو سکتا ہے؟ دوست تو دوست دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالی کے معترف ہیں۔ غیر بھی آپ کی مدح سرائی اور تعریف و توصیف پر مجبور ہیں۔ اصولی اختلاف کے باوجود مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کے القاب سے پکارا کرتے۔ انہوں نے آپ کی دشمنی اور لوگوں کو آپ سے برگشتہ کرنے کے لئے آپ کی ذات پر حملے کئے لیکن آپ کے کردار پر وہ بھی

انگلی نہ اٹھا سکے۔انہوں نے آپ علیہ السلام کو جادوگر، دیوانہ جیسے القاب سے تو یاد کیا لیکن کبھی آپؐ کے اخلاق وکردار پر الزام تراشی کی کسی کے اندر جرأت پیدا نہ ہوسکی لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ کسی دنیوی شخصیت، کسی فنکار اور کھلاڑی کو آئیڈیل بنانے کی بجائے اس کو آئیڈیل بنایا جائے جس کے آئیڈیل ہونے کی گواہی قرآن نے دی، جس کے مثالی ہونے کا گواہ زمانہ اور تاریخ ہے، جس کے بہترین کردار اور اعلیٰ اخلاق کے معترف صرف دوست ہی نہیں، دشمن بھی ہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان پر صحبت کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے حتیٰ کہ انسان تو انسان حیوانات کی صحبت کا اثر بھی انسان پر ضرور ہوتا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شتربان (اونٹ پالنے والے) بڑے متکبر ہوتے ہیں کیونکہ اونٹ کے اندر غرور وتکبر ہوتا ہے، بھیڑ بکریاں پالنے والوں کے اندر عجز ہوتا ہے کیونکہ خود بھیڑ بکریوں میں یہی صفت پائی جاتی ہے۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیر کے چمڑے پر مت بیٹھو کیونکہ وہ درندہ ہے اور اس سے انسان میں درندگی کی صفت در آتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"من تشبه بقوم فهو منهم"

ترجمہ: جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہے۔

حضور ﷺ نے غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنے سے اسی لئے منع فرمایا کہ مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ بروں کی صحبت انسان کو برا بنا کر چھوڑتی ہے جبکہ نیکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کی مشابہت اختیار کرنے سے انسان کے اندر نیکی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیئے کہ صالحین کا حلیہ اختیار کرے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ محض لباس کا بھی اثر ہوتا ہے، یعنی کوئی شخص اچھے لوگوں کا لباس پہنتا ہے تو اچھا اثر بصورت دیگر برا اثر پڑتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی وبربادی کی دعا مانگی تو فرعون اور اس کی چھ لاکھ فوج کا پورا لشکر دریائے نیل (بحرقلزم) میں ڈوب گیا لیکن ان میں سے ایک شخص غرق ہونے سے بچ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ: یا اللہ! یہ شخص تو مجھے بہت زیادہ تنگ کیا کرتا تھا اور میری نقالی میں میرے جیسا لباس، وضع قطع اور چال ڈھال اختیار کیا کرتا تھا، اسے کیوں بچالیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تمہاری نقالی کرنے کی وجہ سے ہی تو یہ شخص مجھے اچھا لگتا تھا اور اسی لئے ہم نے اسے غرق ہونے سے بچالیا۔

شارح مشکوٰۃ شریف ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل کرے وہ فرعون کے لشکر کا رکن ہوکر بھی دریائے نیل میں غرق ہونے سے بچ جائے تو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرے گا وہ کیسے عذاب کا شکار ہوسکتا ہے؟

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے فرعون نے ستر ہزار جادوگر بلائے مگر وہ سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں شکست کھا کر مسلمان ہوگئے۔

شارح مشکوٰۃ ان جادوگروں کے مسلمان ہونے کا سبب بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب وہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے آئے تو انہوں نے اپنا مکمل لباس اور وضع قطع اور حلیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطابق بنایا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آئی اور انہیں اسلام سے نواز دیا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ ان کا ایک شاگرد ان کیلئے ایک بہت بڑا تربوز لایا۔ مدینہ میں اس وقت تربوز نہیں ہوتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ کے شاگرد نے کہا: حضرت آپ کیلئے ہدیہ لایا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: اللہ تمہیں جزائے خیر دے اور پھر علماء سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ سلم نے تربوز کیسے کھایا ہے؟ مگر کوئی نہ بتاسکا۔ خود حضرت کو بھی نہیں معلوم تھا تو فرمایا: جاؤ یہ تربوز لے

جاؤ۔ شاگرد نے کہا: حضرت شام سے لایا ہوں، بڑی دور سے، انتہائی احتیاط سے لایا ہوں، قبول فرمالیجئے۔ فرمایا: میرے قبول کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ تم لائے ہو یا تمہارے مال میں کوئی گڑبڑ ہے۔ میں اس لئے قبول نہیں کرر ہا کہ مجھے اس کے کاٹنے اور کھانے کا مسنون طریقہ معلوم نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں خلاف سنت طریقے سے کاٹ لوں یا کھالوں، پھر نہ جانے میرا حشر کیا ہوگا؟

یہ ہے محسن انسانیت ﷺ کو اپنا آئیڈیل بنانے اور آپؐ کے رنگ میں رنگ جانے کا بہترین طریقہ۔ اس کے برعکس موجودہ دور کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ زبانی کلامی دعووں میں تو وہ ایسے عاشق رسول ہیں کہ لگتا ہے کہ ان سے بڑا عاشق رسول نہ تو کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا لیکن جب اتباع سنت کی بات آتی ہے تو آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں۔ ہمیں ہر وہ سنت عزیز ہے جو ہمارے مزاج کے مطابق ہو یا اس پر عمل کرنے سے ہمارا کوئی دنیوی مفاد متاثر نہ ہوتا ہو، بصورت دیگر ہمارے پاس بے شمار بہانے موجود ہوتے ہیں یعنی ہم خود کو تو اپنے محبوب ﷺ کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے تیار نہیں اور چاہتے ہیں کہ مسنون طریقوں کو گھما پھرا کے اپنی مرضی کے مطابق کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ہر شخص احادیث نبوی ﷺ کی تشریح اپنے خیالات اور مفادات کے مطابق کرنے لگا ہے۔ فرقہ بندی کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ ہم احادیث مبارکہ کو چونکہ، چنانچہ، اگر، مگر، اگرچہ اور لیکن کا پیوند لگا کر اپنی پسند کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ ہم نے بھی غیر مسلموں کی طرح اپنے پیغمبر ﷺ کے دن کو سال میں ایک مرتبہ منا کر باقی دنوں میں فراموش کردینے کا طریق اپنالیا ہے جبکہ اسلام تو منانے کا دین ہی نہیں، یہ تو اپنانے کا دین ہے، یہ محض رسوم ورواج یا چند حکایات وروایات کا دین نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس پر آنکھ کھلنے سے لے کر آنکھ بند ہونے تک عمل کرنا ضروری ہے۔ یہی اصل عشق رسول ﷺ اور اس دعوے میں خود کو سچا ثابت کرنے کا واحد طریقہ ہے۔

محسن انسانیت ﷺ کا حق
کثرت درود شریف

حضرت کعبؓ بن عجرہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ۔ ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے درجے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، جب دوسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب آپؐ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ ﷺ سے (منبر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجے پر میں نے قدم رکھا تو) انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین پھر جب میں دوسرے درجے پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔ میں نے کہا: آمین جب میں تیسرے درجے پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائیں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں۔ میں نے کہا: آمین۔

اس حدیث میں حضرت جبرئیلؑ نے تین بددعائیں دی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں پر آمین فرمائی۔ اول تو جبرئیلؑ جیسے مقرب فرشتے کی بددعا ہی کیا کم تھی، اوپر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمین نے تو جتنی سخت بددعا بنا دی اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ درمنثور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت جبرئیلؑ نے حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آمین کہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آمین جس سے اور بھی زیادہ اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

خالق کائنات نے قرآن کریم میں درود بھیجنے کے بارے میں فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی حضور ﷺ پر درود اور سلام بھیجا کرو (سورہ احزاب، آیت ۵۶)۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک تو یہ کہ درود شریف پڑھنا ایسا زبردست عمل ہے کہ خود رب العالمین اور اس کے معصوم ملائکہ بھی یہ عمل کرتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس کے کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں کے ساتھ شریک ہو جبکہ دوسری بات یہ کہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے درود وسلام کی ضرورت نہیں ہے، آپؐ کے لئے تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کا درود بھیجنا ہی کافی ہے، ہاں جو شخص جس قدر زیادہ اپنی بھلائی چاہتا ہو وہ اسی قدر کثرت سے درود وسلام بھیجے۔ ویسے بھی اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو ہم کیا اور ہمارا درود وسلام کیا؟ بس اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالے تو اس کی مہربانی۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ درود شریف سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ درود وسلام فقط دعا ہے جو اہل ایمان رحمت اللعالمین ﷺ کے احسانات اور قربانیوں کے سبب اپنی قلبی محبت کے اظہار کے لئے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں اور یہ تو ہر مومن جانتا ہے کہ دعا اسی سے مانگی جاتی ہے جو خالق ہو، مالک ہو، مشکل کشا ہو، حاجت روا ہو، داتا ہو، غوث ہو اور دعاؤں کو سن کر فریاد رسی کی طاقت وقدرت رکھتا ہو جبکہ دعا مانگنے والا اور جس کے لئے دعا مانگی جائے، دونوں ہی اپنے رب کے محتاج ہیں لہٰذا جس طرح سید الانبیا ﷺ سمیت تمام پیغمبرؑ اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے دعا مانگا کرتے تھے اسی طرح امتیوں کو بھی مخلوق کو بے بس ومحتاج سمجھتے ہوئے صرف اور صرف رب کائنات کے حضور ہی سجدہ ریز ہو کر دعا مانگنا چاہئے اور یہی چیز کلمۂ شہادت میں بھی سکھائی گئی ہے یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے (صحیح مسلم)۔ جو بندہ مجھ پر ایک بار صلوٰۃ بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کی دس خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجات بلند کر دئے جاتے ہیں (سنن نسائی)۔ حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر خوشی اور بشاشت کے آثار نمایاں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل امینؑ آئے اور انہوں نے بتایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محمد! کیا یہ بات تمہیں راضی اور خوش نہیں کر دے گی کہ تمہارا جو امتی تم پر صلوٰۃ بھیجے، میں اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجوں اور جو تم پر سلام بھیجے، میں اس پر دس سلام بھیجوں (سنن نسائی، دارمی)۔ جو شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ دس گناہ معاف فرماتا ہے اور دس درجات بلند فرماتا ہے (سنن نسائی)۔

اس کے برعکس جو شخص درود و سلام بھیجنے میں بخل سے کام لیتا ہے اس کے بارے میں ایک حدیث بلکہ وعید تو مضمون کی ابتداء میں ہی بیان کی جا چکی ہے جبکہ اس کے علاوہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصلی بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (جامع ترمذی)۔

مومن کے لئے کوئی بھی دعا مانگتے وقت درود شریف پڑھنا ضروری ہے اور دعا کے شروع اور آخر میں درود شریف پڑھنا قبولیت دعا کا ایک بہترین ذریعہ ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان ہی رکی رہتی ہے، اوپر نہیں جا سکتی جب تک حضور ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے (جامع ترمذی)۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ پر درود زیادہ بھیجا کروں، آپ ﷺ مجھے بتا دیجئے کہ میں اپنی دعا میں کتنا حصہ صلوٰۃ کے لئے مخصوص کر دوں؟...... آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو اور اگر زیادہ کر دو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو پھر میں نصف وقت اس کے لئے

مخصوص کر دوں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو کرو اور اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔میں نے عرض کیا: تو پھر میں اس میں سے دو تہائی وقت آپ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو اور اگر زیادہ کر دو گے تو تمہارے لئے خیر ہی کا باعث ہوگا۔میں نے عرض کیا: پھر تو میں اپنی دعا کا سارا ہی وقت آپ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت کی جائے گی اور تمہارے گناہ وقصور معاف کر دئے جائیں گے (جامع ترمذی)۔حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص اللہ سے کوئی چیز مانگنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ ابتداء کرے، ایسی حمد وثناء جو اس کے شایان شان ہو پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور اس کے بعد دعا مانگے۔پس اقرب یہ ہے کہ وہ کامیاب ہوگا اور مقصد کو پہنچے گا۔

تمام علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ ہر شخص کیلئے زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض عین ہے اور بالکل اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ فرض ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے درود پڑھنے کا حکم دیا جانا اس کی فرضیت کی دلیل ہے۔نیز نماز ودعاء کے علاوہ بھی علماء کرام نے متعدد مواقع پر درود شریف پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے ،مثلاً جب حضور ﷺ کا نام مبارک لیا جائے ،وضو کے دوران، جب ہاتھ پاؤں سن ہو جائیں، مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت ،کوئی اہم بات کہتے یا لکھتے وقت، غصہ کے وقت ،سونے سے پہلے وغیرہ وغیرہ۔ان تمام مواقع پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

درود شریف ایک بہترین دعا اور اہل ایمان کی جانب سے اپنے محسن ومحبوب ﷺ کے لئے ہدیہ ہے اور درود وسلام کا سلسلہ اس وقت تک جاری وساری رہے گا جب تک اس کرہ ارض پر ایک بھی مسلمان باقی ہے۔یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال کے دوران سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں درود شریف رائج ہو چکے ہیں لیکن بعض میں شرک کی آمیزش کر دی گئی ہے، بعض میں زبان وادب کا مکمل خیال نہیں رکھا گیا جبکہ بعض معنی کے اعتبار سے مناسب

نہیں ہیں۔اب چونکہ ایک عام آدمی کے لئے یہ جاننا انتہائی مشکل ہے کہ کون سا درود شرعی معیار پر پورا اترتا ہے اور کون سا نہیں لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ترجیح درود ابراہیمی کو ہی دی جائے کیونکہ اس کی اہمیت وافضلیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے اس کے پڑھنے کی تعلیم دی ہے اور اسے نماز جیسی عظیم الشان عبادت میں پڑھنے کا حکم دیا گیا اور صحیح بخاری ومسلم جیسی مستند کتابیں اس پر گواہ ہیں لہٰذا وہ تمام درود جو بعد میں کہے گئے ہوں، انہیں وہ مقام کیسے حاصل ہوسکتا ہے جو خود نبی کریم ﷺ کا تعلیم کردہ ہو؟ البتہ چونکہ ہر مرتبہ رسول کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر یا پڑھ کر درود ابراہیمی پڑھنا یا لکھنا ذرا مشکل ہے لہٰذا اس وقت صرف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہنا اور لکھنا بھی کافی ہے۔بعض لوگ صرف ''صلعم'' یا ''ص'' لکھ دیتے ہیں تو یہ بات ادب کے خلاف اور انتہائی محرومی کا باعث ہے جبکہ اس بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب تک وہ تحریر باقی رہے گی اس وقت تک ملائکہ مسلسل اس پر درود بھیجتے رہیں گے (معجم الاوسط للطبرانی)۔

الغرض درود شریف کے فضائل تو بہت زیادہ ہیں اور ان پر پوری پوری کتابیں لکھی جاچکی ہیں لہٰذا اس مختصر سے مضمون میں تمام فضائل کا احاطہ کرنا تو ناممکن ہے لیکن مختصراً یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ رب کائنات کا حکم بھی ہے ،ایک بہترین عبادت بھی اور رحمت اللعالمین ﷺ سے اظہار محبت اور قربت کا ایک آسان ذریعہ بھی اور اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص جس قدر کثرت سے درود شریف پڑھے گا، اتنی ہی حضور ﷺ سے محبت بڑھے گی اور جتنی محبت بڑھے تو اسی قدر انسان متبع سنت بنتا چلا جائے گا اور پھر امید ہے کہ بروز قیامت شافع محشر ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوجائے لہٰذا جس قدر درود وسلام کی کثرت ممکن ہو، کرنا چاہئے اور اس میں بخل سے کام نہیں لینا چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسنون طریقے سے درود وسلام پڑھنے اور مسنون طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

عورتوں پر محسن انسانیت ﷺ کے احسانات

عورتوں کے حوالے سے جب ہم تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں افراط وتفریط کی کھینچ تان کا ایک عجیب سلسلہ نظر آتا ہے۔ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ عورت جو ماں کی حیثیت سے آدمی کو جنم دیتی ہے اور بیوی کی حیثیت سے زندگی کے ہر نشیب وفراز میں مرد کی رفیق رہتی ہے، اسے قابل خرید وفروخت جنس بنا کر اپنی ملکیتی جائیداد کی مانند تصور کیا جاتا، اسے وراثت وملکیت کے تمام حقوق سے محروم رکھا جاتا، اسے گناہ اور ذلت کا مجسمہ سمجھا جاتا، اس کی خرید وفروخت کی جاتی اور اس کی شخصیت کو نکھرنے اور نشو ونما پانے کا کوئی موقع نہ دیا جاتا حتیٰ کہ مرد کو اسے بلا جواز قتل اور زندہ در گور کرنے کا بھی حق حاصل تھا جبکہ دوسری جانب ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ وہی عورت اٹھائی اور ابھاری جارہی ہے مگر اس شان سے کہ اس کے ساتھ بداخلاقی اور بد نظمی کا طوفان بھی اٹھ رہا ہے۔وہ حیوانی خواہشات کا کھلونا بنائی جارہی ہے۔اس کو واقعی شیطان کی ایجنٹ بنا کر رکھ دیا ہے اور اس کے ابھرنے کے ساتھ انسانیت کے گرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

پوری تاریخ عالم خواتین کے حوالے سے اسی افراط وتفریط میں گھری ہوئی نظر آتی ہے مثلاً یونانی معاشرہ ایک ترقی یافتہ معاشرہ تصور کیا جاتا تھا کیونکہ اس نے قدیم مشرق، وادی نیل کے ممالک اور مابین النہرین کے علاقوں سے استفادہ کیا۔علم وثقافت کے میدان میں اس کی ترقی مثالی تھی لیکن عورت کے معاملے میں اس ترقی کا اثر الٹا تھا اور عورت پر اس کا کوئی مثبت اثر نظر نہیں آتا تھا۔یونان میں عورت کو اختیار نہ تھا کہ وہ خود کوئی معاملہ نکاح، خرید وفروخت وغیرہ کرسکے یا کسی کو خاص مقدار سے زیادہ قرض دے سکے یا

اپنا کوئی معاملہ حاکم کے پاس لے جائے۔انہوں نے ایک قانون بنایا ہوا تھا کہ جو عمل کسی عورت کے زیر اثر انجام پایا ہو وہ قانوناً باطل قرار پاتا تھا۔اسی طرح عورت مرد سے میراث نہیں حاصل کر سکتی تھی۔اخلاقی نظریہ، قانونی حقوق اور معاشرتی برتاؤ، ہر اعتبار سے عورت کی حیثیت بہت گری ہوئی تھی۔یونانی خرافیات (Mythology) میں ایک خیالی عورت پانڈورا کو اسی طرح تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا جس طرح یہودی خرافیات میں حضرت حوا علیہا السلام کو۔

یونانیوں کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا وہ اہل روم تھے۔یہاں پھر وہی افراط وتفریط نظر آتی ہے۔رومی لوگ وحشت کی تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر پر نمودار ہوئے تو ان کے معاشرے کا نقشہ یہ تھا کہ مرد اپنے خاندان کا ایسا سردار تھا جسے اپنے بیوی بچوں پر پورے مالکانہ حقوق حاصل تھے اور بعض حالات میں وہ اپنی بیوی کو قتل کر دینے کا بھی مجاز تھا۔شادی اور طلاق ایک کھیل بن گیا تھا۔فلورا نامی ایک کھیل رومیوں میں بڑا مقبول تھا جس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ منعقد کروا کے عورت کے تقدس کو پامال کیا جاتا تھا۔

عورت کے بارے میں یہودیت کا موقف یہ تھا کہ انسان کی پہلی معصیت کے پیچھے عورت کا ہاتھ تھا۔یہ موقف اس لئے بھی اختیار کیا گیا تا کہ عورت کے کردار کو مشکوک یا ممنوع قرار دیا جا سکے اور مرد سے بے شمار معاملات میں اسے کمتر قرار دیا جا سکے کیونکہ اصل غلطی حضرت حوا علیہا السلام سے ہوئی تھی نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے۔ان کے نزدیک عورت عام مال ومتاع اور جانوروں کی طرح خریدی اور بیچی جا سکتی تھی۔اگر اس کے بھائی موجود ہوتے تو اسے میراث سے محروم کر دیا جاتا۔اسی طرح یہ قانون بھی تھا کہ اگر عورت بے اولاد ہو اور بیوہ ہو جائے تو پھر وہ اپنے شوہر کے کسی بھائی کیلئے ہی مختص رہے گی، اسے کسی دوسرے سے نکاح کا حق حاصل نہ ہوگا۔یہودی عورت بغیر اپنی مستقل شخصیت اور ارادے کے زندگی گزارتی تھی۔کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی تھی بلکہ وہ مرد کی تابع تھی جو اسے

اپنی منشا کے مطابق استعمال کرتا تھا۔اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس کی حیثیت ایک زرخرید لونڈی سے زیادہ نہ تھی۔اس کا باپ جب چاہتا اسے بیچ سکتا تھا اور جس سے چاہتا اس کی شادی کرا سکتا تھا۔شوہر کو یہ حق حاصل تھا کہ اگر بیوی میں کوئی قابل اعتراض بات یا عیب نہ ہو تب بھی وہ طلاق نامہ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر اسے اس کے گھر بھیج سکتا تھا۔

بھٹکی ہوئی اقوام کے اس اخلاقی انحطاط کا علاج کرنے کیلئے مسیحیت پہنچی اور اوّل اوّل اس نے بڑی اچھی خدمات انجام دیں،فواحش کا انسداد کیا،عریانی کو زندگی کے ہر شعبے سے نکالا،قحبہ گری کو بند کرنے کی تدبیریں کیں،طوائفوں،مغنیہ اور رقاصہ عورتوں کو ان کے پیشے سے توبہ کرائی اور پاکیزہ اخلاقی تصورات لوگوں میں پیدا کئے مگر عورت اور صنفی تعلقات کے بارے میں ان کے نظریات انتہا پسندی کی بھی انتہا تھے اور ساتھ ہی فطرت انسانی کے خلاف اعلان جنگ بھی۔ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے۔مرد کیلئے معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے۔تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے۔اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کیلئے کافی ہے۔اسے اپنے حسن و جمال پر شرمانا چاہئے کیونکہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔اس کو ہمیشہ کفارہ ادا کرتے رہنا چاہئے کیونکہ وہ دین اور دنیا والوں پر لعنت اور معصیت لائی ہے۔ترتولیاں جو ابتدائی دور کے ائمہ مسیحیت میں سے تھے،عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتے ہیں ''وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی،خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر،مرد کو غارت کرنے والی ہے۔'' کرائی سوسٹم جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کئے جاتے ہیں ،عورت کے متعلق کہتے ہیں ''ایک ناگزیر برائی،ایک پیدائشی وسوسہ،ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ،ایک غارت گر دلربا،ایک آراستہ مصیبت۔''

ہم جب سومریوں کے ہاں عورت کے مقام و مرتبے کا جائزہ لیتے ہیں (اس سے مراد بابلی اور اشوری تہذیب ہے) تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس تہذیب میں عورت کا بہت برا

حال تھا، اس سے بڑا توہین آمیز سلوک اور ظلم کیا جاتا تھا۔ اس کی مظلومیت کی انتہاء یہ تھی کہ مرد کو اختیار حاصل تھا کہ وہ جیسا چاہے عورت میں تصرف کر سکتا تھا۔ ان کے ہاں عورت اپنے باپ اور شوہر کے ہاتھ میں بکاؤ مال کی طرح تھی۔ جب کسی شخص کو مال کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو بدکاری پر مجبور کر دیتا تاکہ مال کما سکے۔

ان کے ہاں طریقۂ نکاح ہرگز نکاح نہ تھا بلکہ ایک کاروبار تھا جس میں باقاعدہ عورتوں کی خرید وفروخت اور سودے بازی ہوتی تھی۔ جن میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ جب لڑکیاں شادی کی عمر کو پہنچ جاتیں تو سال کے ایک مخصوص دن انہیں لے کر جمع ہو جاتے جہاں بے شمار مرد ہوتے، وہاں ایک دلال ان کی خوبیاں اور حلیہ بیان کرتا اور بولی لگتی پھر یکے بعد دیگرے لڑکیاں فروخت ہوتی چلی جاتیں۔ سب سے پہلے سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی کی بولی لگتی اور اس کی خوب گراں قیمت وصول کرنے کے بعد اس سے کم درجہ خوبصورت لڑکی کی بولی لگائی جاتی لیکن ان سب کو اس شرط پر فروخت کیا جاتا تھا کہ خریدار اس سے شادی کرے گا۔

جب ہم قدیم ہندوستانی معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے جیسا کہ ''تشریعات مانو'' میں ہے کہ عورت ہی عار کی جائے صدور ہے، جھاد میں تکلیف کی جائے صدور بھی عورت ہے۔ دنیاوی وجود کی وجہ بھی عورت ہے اس لئے عورت سے ہمیشہ ہوشیار رہو کیونکہ عورت زندگی کے راستے سے محض کسی احمق ہی کو گمراہ نہیں کرتی بلکہ وہ دانا شخص کو بھی گمراہ کرنے پر قادر ہے۔ ''قصة الحفارة '' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ قدیم ہندو تہذیب میں بیٹی اپنے باپ کی ملکیت ہوتی تھی اور وہ اس سے من چاہا تصرف کرنے میں آزاد تھا۔ جب عورت کی شادی ہوجاتی تو وہ اپنے شوہر کی زندگی میں اس کی غلام بنی رہتی، جب شوہر بے اولاد مر جاتا تو یہ اپنے شوہر کے رشتے داروں کی ملکیت ہوجاتی۔ اس سے بھی عجیب بات یہ کہ جب ہندوستانی عورت کا شوہر مر جاتا تو اس کی زندگی اور حالت اور بھی بری ہوجاتی، اسے اپنے شوہر کے ساتھ جل کر مر جانے (ستی ہونے) کا حکم دیا جاتا۔

قدیم فارس میں عورت کو دھتکاری ہوئی حقارت آمیز شکل میں رکھا گیا۔ زرتشت نے عورت کو چند حقوق دیے لیکن یہ وقت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا بلکہ تھوڑے عرصے کے بعد ہی عورت دوبارہ اسی حال پر آ گئی جو اس کے انحطاط اور جبر کا دور تھا۔ فارس کے لوگ عورت سے زیادہ مرد کو اہم سمجھتے تھے۔ فارسی عورت مرد کے زیر اثر اور اس کے ظالمانہ پنجے کی گرفت میں ہوتی تھی۔ مرد کو یہ اختیار حاصل تھا کہ چاہے تو اس کی موت کا فیصلہ کر دے یا زندگی کی نعمتیں رہنے دے۔ مرد عورت کو گھریلو اشیاء سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔

اشوک کے دور حکومت میں بدھ مت کو شاہی سرپرستی حاصل ہوئی تو یہ مذہب دنیا بھر میں پھیل گیا لیکن اس مذہب میں بھی عورت کو کوئی بہتر مقام نصیب نہ ہو سکا اور عورت اپنی تحقیر و تذلیل سے چھٹکارا نہ پا سکی۔ ان کے مذہب کے مطابق ''پانی کے اندر مچھلی کی ناقابل فہم عادتوں کی طرح عورت کی فطرت بھی ہے، اس کے پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں اور سچ کا اس کے پاس گزر بھی نہیں ہے۔'' بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق عورت کی ذات مذہبی فرائض کی ادائیگی میں حائل ہوتی ہے۔ مکتی اور نجات حاصل کرنے کیلئے اس سے دوری ضروری ہے۔ عورت ہی نجات حاصل کرنے کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ گوتم بدھ نے اپنے معتقدین کو حکم دیا تھا کہ اگر تم نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اپنی عورتوں سے تعلقات منقطع کر لینے چاہئیں۔ خود بدھا نے اپنی چہیتی بیٹی کو چھوڑ کر پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بدھ مت میں بھی عورت کی کوئی عزت نہ تھی اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

اسلام سے قبل عربوں میں ایسی معاشرتی اور اخلاقی برائیاں موجود تھیں جو انسانیت کیلئے شرمندگی کا باعث تھیں۔ ان برائیوں اور بے حیائیوں کا سبب ان کی جہالت، قدیم رسم و رواج پر عمل اور مذہب سے دوری تھا۔ عورت کو بہت ہی حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اسے ایک ایسا کھلونا تصور کیا جاتا تھا جسے صرف اور صرف مرد کے نفسانی جذبات اور خواہشات کو پورا کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔ عورت انتہائی مظلوم تھی اور اذیت

ناک زندگی بسر کر رہی تھی۔ ہر قسم کی بڑائی اور فضیلت مردوں کیلئے تھی جس میں عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا حتیٰ کہ مرد اچھی چیزیں خود رکھ لیتے تھے اور بے کار چیزیں عورتوں کو دے دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں ان کے بارے میں فرمایا کہ:

''وہ کہتے ہیں کہ جو ان جانوروں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کیلئے ہے، ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر (پیدا ہونے والا) جانور مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہوں گے۔ عنقریب اللہ ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا، بے شک وہ حکمت والا خبردار ہے۔''

یہ لوگ عورت کو کوئی رتبہ اور مقام دینا حقیقت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ لڑکی پیدا ہونے پر غصہ ہوتے۔ ان میں سے جب کسی کو بچی کی ولادت کی خبر دی جاتی تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا اور وہ غصے میں گھٹنے لگتا اور اس ''بری خبر'' کی وجہ سے قوم سے چھپتا پھرتا اور سوچتا کہ آیا اس کو ذلت کی حالت میں لئے پھرے یا زندہ زمین میں گاڑ دے۔ ان کے عقیدے کے مطابق لڑکی عار اور فقر کا سبب تھی۔ عورت کی حیثیت قربانی کے دنبے کی سی تھی کہ اگر وہ زندہ دفن ہونے سے بچ گئی تو رسومات اور گمراہ رستوں کی تقلید کی چکی میں پستی رہے گی، کسی سامان کی طرح بکتی اور وراثت میں بٹتی رہے گی۔ تمدن عرب میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوان کے درمیان کی ایک مخلوق سمجھی جاتی تھی جس کا مصرف محض ترقی نسل اور مردوں کی خدمت تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں دختر کشی کی رسم عام تھی۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتداء قبیلہ بنو اسد کے امراء سے ہوئی تھی اور اس کی نقل میں بنو ربیعہ، بنو کفیلہ اور بنو تمیم کے بڑے لوگوں نے بھی اسے اختیار کر لیا۔ بعد میں اس کی تقلید نچلے طبقات میں بھی فروغ پا گئی۔

علم و عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پھرنے والے عرب معاشرے میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے عورتوں پر احسان عظیم فرماتے ہوئے انہیں ان کا جائز مقام دیا اور بتایا کہ عورت کوئی بکاؤ مال یا جائیداد نہیں بلکہ وہ بھی عزت و احترام کی مستحق

ہے۔آپؐ نے بتایا کہ عورت شرم کا باعث نہیں اور یہ آپؐ نے اپنے عمل سے بھی ثابت کیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ اگر عورت ماں کے روپ میں ہے تو جنت اس کے قدموں میں ہے، اولاد کو ماں کے سامنے سراپا عجز و نیاز ہونا چاہئے۔ جب وہ اس کے پاس آئے تو اس کا احترام کیا جائے اور اس کا استقبال کیا جائے۔ اسلام نے عورت کو ماں کی حیثیت سے ایک عظیم مرتبے پر فائز کیا کیونکہ ماں کی اچھی اور بہترین تربیت کی وجہ سے ایک اچھا معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں والدین کا عظیم درجہ بیان کیا گیا ہے لہٰذا ماں کے بارے میں فرمایا: ''جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔''

بہن کی حیثیت سے بھی اسلام نے عورت کو ایک بہترین مقام عطا کیا ہے۔ اسلام نے بھائیوں کو بہنوں سے محبت، شفقت اور ہمدردی کا سبق دیا ہے۔ بھائی اپنی بہنوں کی عزت و ناموس کے محافظ اور باپ کے بعد ان کے کفیل بنائے گئے ہیں۔ اسلام نے ہی بہن کو بھائی کی وراثت میں حق دار قرار دیا۔ اسی طرح والدین کی وراثت میں بھائیوں کے ساتھ ساتھ بہنیں بھی حصہ دار قرار دی گئی ہیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بہن نہیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیما رضی اللہ عنہا تھیں جنہیں آپؐ بہت عزت دیا کرتے تھے اور ان سے محبت و شفقت فرماتے تھے۔ غزوۂ حنین میں جب آپؐ کی بہن گرفتار کر کے آپؐ کے سامنے لائی گئیں تو آپؐ نے ان کو اپنی چادر مبارک پر بٹھایا اور فرمایا کہ اگر چاہو تو عزت و احترام کے ساتھ میرے ساتھ رہو اور اگر اپنی قوم کے پاس واپس جانا چاہو تو میں تمہیں تمہاری قوم میں واپس پہنچوا دوں۔ حضرت شیما رضی اللہ عنہا نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور ان کی خواہش پر انہیں ان کی قوم میں واپس بھجوا دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رخصت کرتے وقت ایک غلام، ایک لونڈی، کچھ اونٹ اور بکریاں بھی عنایت فرما دیں۔

اسلام سے قبل بیوی ہر قسم کے حقوق سے محروم تھی لیکن اسلام نے نہ صرف اسے باعزت مقام عطا کیا بلکہ اسے تمام حقوق سے بھی نوازا۔ کفار اپنی ازواج کو پریشان اور تنگ

کرنے کیلئے انہیں کہہ دیتے تھے کہ میں نے تمہیں طلاق دی اور قطع تعلق کر لیا کرتے تھے لیکن وہ عورت کو نہ چھوڑتے اور نہ اسے علیحدہ کرتے۔ اس طرح عورت کی زندگی عذاب میں مبتلا کر دیتے۔ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کی اس رسم کو ختم کر دیا۔ اس بری رسم کی وجہ سے عورت ظلم وستم کی زنجیر میں بندھی ہوئی تھی جسے محسن انسانیت ﷺ نے توڑ ڈالا۔ آپؐ نے مرد کیلئے عورت کی کفالت لازمی قرار دے کر عورت کو معاشی ذمہ داری کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔ عورت کو وراثت میں حقدار قرار دیا اور اسے حق مہر بھی ادا کرنے کا حکم دیا۔ حضور ﷺ نے مردوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے میں بخل سے کام نہ لیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دینار وہ ہے جسے تو نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک دینار غلام آزاد کرنے میں خرچ کیا، ایک دینار مسکین کو صدقے میں دیا اور ایک دینار اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔ ان سب میں زیادہ ثواب والا وہ دینار ہے جسے تو نے اہل وعیال پر خرچ کیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جو کچھ بھی اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرو گے اس کا ثواب ملے گا حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالو گے اس کا بھی ثواب ملے گا۔ (بخاری ومسلم)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: اور سنو! تمہارے ذمہ ان (عورتوں) کا حق یہ ہے کہ تم ان کیلئے اچھا لباس اور اچھا کھانا مہیا کرو۔

نیز فرمایا: تم میں بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے اچھا ہے اور میں تم سب میں اپنی ازواج کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہوں۔

اسلام سے قبل عرب معاشرہ میں بیٹی کی کوئی حیثیت نہ تھی، اسے منحوس سمجھا جاتا تھا اور اس کی پیدائش کی خبر سن کر لوگ شرم سے منہ چھپا لیتے تھے۔ حتیٰ کہ بیٹی کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ محسن انسانیت ﷺ نے بیٹی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا۔ آپ ﷺ نے بیٹی کی

تعلیم وتربیت کا حکم دیا اور بیٹی کی اچھی طرح پرورش اور بالغ ہونے پر نکاح کر دینے والوں کو جنت کی بشارت دی۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو وہ شخص اور میں قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہوں گے (یہ فرما کر) آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔ (صحیح مسلم)۔

آج کل اسلام کے خلاف کیئے جانے والے پروپیگنڈے میں ایک اہم الزام یہ ہے کہ اسلام عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھتا ہے، آزادیٔ نسواں کے خلاف ہے اور اسے ایک قیدی کی حیثیت سے گھر کی چاردیواری میں قید رکھتا ہے۔ وہ نہ اپنی مرضی سے جی سکتی ہے اور نہ مرسکتی ہے وغیرہ وغیرہ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے وہ آج تک کوئی مذہب یا قوم نہیں دے سکی اور پھر ایک ایسے معاشرے میں جہاں عورت کو زرخرید لونڈی جتنے حقوق بھی حاصل نہ تھے اسلام نے اسے پستی سے نکال کر مرد کے دل کی ملکہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عورتوں کے نام پر ایک مستقل سورۃ، سورۃ النساء نازل فرما کر عورت کا مقام ومرتبہ مزید بڑھا دیا۔ یہ عورت کیلئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

محسن انسانیت ﷺ نے عورتوں کے جن حقوق کی نشاندہی فرمائی، ان کی فہرست بہت طویل ہے جن میں سرفہرست یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو نہ صرف یہ کہ مرد کی طرح باوقار طریقے سے زندہ رہنے کا حق دیا بلکہ اسے عزت بھی دی اور ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہر حیثیت میں مرد کو ترغیب دی کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کے بدلے جنت کا مستحق بن جائے۔ سید الانبیا ﷺ نے عورت کے وجود کو نہ صرف خندہ پیشانی سے تسلیم کیا بلکہ ساری دنیا سے تسلیم بھی کرایا اور عورت کو وہ عزت اور بلند مقام عطا فرمایا جو خود عورتوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

اشاعت دین کی خاطر رحمت اللعالمین ﷺ کا صبر وتحمل

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے 23 برس تک اسلام کی تبلیغ فرمائی اور اس راہ میں اس قدر جسمانی و روحانی تکالیف اور پریشانیاں برداشت کیں کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی شخص نے اپنے مفادات، اقتدار کے حصول، دولت کی لالچ، کسی اعلیٰ عہدے، جائیداد یا انتقام کی خاطر نہیں بلکہ صرف اور صرف رب کائنات کے دین کی اشاعت اور دنیا بھر کے انسانوں کو دائمی عذاب سے بچانے کے لیے دن، رات ایک کردیا ہو اور اس راہ میں آنے والی کسی بھی تکلیف یا پریشانی کو خاطر میں لائے بغیر فقط اسی مقصد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہو۔ اس راہ میں اٹھائی جانے والی تکالیف کے حوالے سے خود صابر اعظم ﷺ فرماتے ہیں:

اللہ کے راستے میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا۔

آپ ﷺ کا سب سے زیادہ اشد وسخت صبر غزوۂ احد میں تھا کہ کفار نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ ومقابلہ کیا اور آپ ﷺ کو شدید ترین رنج والم پہنچایا مگر آپ ﷺ نے نہ صرف صبر وتحمل اور عفو ودرگزر پر اکتفا فرمایا بلکہ ان پر شفقت ورحم فرماتے ہوئے ان کو اس ظلم وجہل میں معذور گردانا اور فرمایا: ''اے اللہ! میری قوم کو راہِ راست پر لا کیونکہ وہ جانتے نہیں۔''

ایک اور روایت کے مطابق فرمایا کہ ''اے اللہ انہیں معاف فرمادے۔'' اور جب

صحابہ کرامؓ کو بہت شاق گزرا تو کہنے لگے: یارسول اللہ! کاش ان پر بددعا فرماتے کہ وہ ہلاک ہوجاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں لعنت کیلئے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ میں حق کی دعوت اور جہان کیلئے رحمت بن کر مبعوث ہوا ہوں۔ (الشفاء، مدارج النبوۃ)۔

رحمت اللعالمین ﷺ کی جدوجہد کا مرکز صرف یہ خیال تھا کہ دوسرے اس دعوت حق کو سنیں، سمجھیں اور اسے تسلیم کریں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ ظلم وستم یا جبر سے کام لیا جائے۔ آپ ﷺ کی قوت برداشت اور ضبط وتحمل مثالی تھا۔ آپ ﷺ کی پوری حیاتِ مقدسہ عفوودرگزر، رحمت ورافت، حلم وتحمل، صبر وضبط، رحم وترحم اور برداشت ورواداری سے عبارت ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے بجا کہا ہے کہ ''مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت واختیار میں عفوودرگزر اور رواداری تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت برداشت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کو دی جانے والی تکالیف کی کثرت آپ میں صبر ہی کا اضافہ کرتی تھی اور جاہلوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیاں آپ ﷺ کا حلم بڑھاتی تھیں۔''

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے کمیاب اور نادر الوجود شے دشمنوں پر رحم اور ان سے عفوودرگزر ہے لیکن پیغمبر رحمت ﷺ کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی۔ اپنے دشمنوں سے انتقام لینا انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہے لیکن یہی فطرت اور خصلت رحمت للعالمین ﷺ کی سیرت طیبہ میں معدوم نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں سے حسن سلوک، مثالی رواداری اور عفوودرگزر کا عملی مظاہرہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ آپ ﷺ دونوں جہاں کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اسے قدرت انتقام

کے باوجود معاف کردوں، جو مجھ سے قطع کرے میں اسے ملاؤں، جو مجھے محروم رکھے میں اسے عطا کروں، غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں۔''

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی تبلیغ کیلئے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لئے ہوئے پاپیادہ طائف پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی جس سے برانگیختہ ہوکر وہ سب درپے آزار ہوگئے۔ وہاں کے سرداروں نے اپنے علاقے اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا۔ وہ لوگ وعظ کے وقت آپ ﷺ پر اتنے پتھر پھینکتے کہ آپ ﷺ لہو میں تر بہ تر ہوجاتے۔ خون بہہ بہہ کر نعلین مبارک میں جم جاتا اور وضو کیلئے پاؤں جوتے سے نکالنا مشکل ہوجاتا۔ ایک دفعہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں اور چیخیں ماریں کہ آپ ﷺ ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہوگئے۔ اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ فرماتے ہوئے آپ ﷺ کے اتنی چوٹیں آئیں کہ آپ ﷺ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ حضرت زیدؓ نے پیٹھ پر اٹھایا۔ آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔ اس سفر میں تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج وصدمے کے وقت بھی رحمۃ للعالمین ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے کی پیشکش کے باوجود انتقام لینا گوارا نہ کیا بلکہ اس قدر تشدد کا جواب تشدد سے دینے کے بجائے ان ظالموں کیلئے بھی دعا فرمائی اور فرمایا کہ میں ان لوگوں کی تباہی کیلئے کیوں دعا کروں؟ اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا، امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور اللہ واحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔'' (صحیح مسلم)۔

نبوت کے چھٹے برس ایک روز رحمت اللعالمین ﷺ کوہ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل وہاں پہنچ گیا، اس نے نبی ﷺ کو پہلے گالیاں دیں اور جب آپ ﷺ گالیاں سن کر بھی چپ رہے تو اس نے پتھر آپ ﷺ کے سر پر پھینک مارا جس سے خون بہنے لگا۔ آپ ﷺ کے چچا سیدنا حمزہؓ کو خبر ہوئی، وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن قرابت کے

جوش میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ وہ زخمی ہوگیا۔ پھر حضرت حمزہؓ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور کہا: بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہوگے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چچا! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا، ہاں! تم مسلمان ہوجاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ حضرت حمزہؓ اسی وقت مسلمان ہوگئے۔

کفار مکہ برسوں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے نام لیواؤں کو ستاتے رہے، ظلم وستم کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو انہوں نے مسلمانوں پر آزمایا نہ ہو حتیٰ کہ وہ گھربار اور وطن تک چھوڑنے پر مجبور ہوگئے لیکن جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے یہ بدترین دشمن مکمل طور پر آپ ﷺ کے رحم وکرم پر تھے اور آپ ﷺ کا ایک اشارہ ان سب کو خاک وخون میں ملاسکتا تھا لیکن کیا ہوا؟ ان تمام جباران قریش سے جو خوف اور ندامت سے سر جھکائے آپ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا: تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ انہوں نے دبی زبان سے جواب دیا :اے صادق! اے امین! آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف برادرزادے ہیں، ہم نے آپ کو ہمیشہ رحم دل پایا ہے۔

رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا: آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ آج تم سب آزاد ہو (کتاب الشفاء، ابن ہشام)۔

بعض اوقات کفار مکہ نبی کریم ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تاکہ رات کے اندھیرے میں آپ ﷺ کے پاؤں مبارک زخمی ہوجائیں، گھر کے دروازے پر گندگی پھینک جاتے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں عقبہ بن ابی معیط آیا اور چادر کو لپیٹ کر آپ ﷺ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ در پیچ دینے لگا، گردن

مبارک بھنچ گئی، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آ گئے ،انہوں نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا۔ چند شریر لوگ ابوبکر صدیقؓ سے لپٹ گئے اور انہیں بہت زد وکوب کیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص ابوجہل کے ورغلانے پر گیا اور اونٹ کی اوجھڑی سجدے کی حالت میں آپ ﷺ کی پشت مبارک پر کھ دی۔ معصوم فاطمہؓ گئیں اور اپنے باپ کی پشت سے اوجھڑی ہٹائی۔

دشمنان اسلام کی جانب سے اس قدر ظلم وجبر اور ایذا رسانی کے باوجود رحمت اللعالمین ﷺ کا طرز عمل کیا تھا؟ ایک دفعہ مکہ میں قحط پڑا ،لوگوں نے ہڈیاں اور مردار بھی کھانے شروع کر دیے۔ ابوسفیان جو ان دنوں آپ ﷺ کے بدترین دشمن تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، اپنے خدا سے دعا کیوں نہیں کرتے! گو قریش کی ایذا رسانی اور شرارتیں انسانیت کی حدود کو بھی پھلانگ چکی تھیں مگر ابوسفیان کی بات سن کر فوراً آپ ﷺ کے دست مبارک دعا کیلئے اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر مینہ برسایا کہ جل تھل ہو گیا اور قحط دور ہو گیا۔ (صحیح بخاری)۔

سراپا محبت، نبی رحمت ﷺ

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کے بعد جن چیزوں پر سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے اور برے اخلاق سے دور رہے۔ متعدد مقامات پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہے اور میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ اخلاق حسنہ کو اپنے کمال تک پہنچاؤں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا اغیار کو بھی اعتراف تھا جو لوگ آپ ﷺ سے بغض وحسد، عداوت وکینہ رکھتے تھے وہ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔

صحیح بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ ”تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں“۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں“ (ابوداؤد، دارمی)۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلیں پڑھتے ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں (ابوداؤد)۔

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ مدینہ منورہ سے رخصت کرتے وقت ان کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ چکا تھا، وہ یہ تھی کہ ''لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ یعنی بندگان خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ (مؤطا امام مالک)۔

حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لیے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے (بخاری و مسلم)۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر انسان پر رحم کھایا جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، انسانیت کے ناطے سے اس کی خاطر مدارات کرنا، اس کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرنا اور اسے کسی طرح بھی تکلیف نہ پہنچانا انسانیت اور ایمان کا تقاضا ہے۔یہی سنت نبوی ﷺ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ ''رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت کرنے والا اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔زمین پر رہنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا۔(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)۔

رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دعا منقول ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ نرم خوئی کتنی بڑی خوبی اور سخت گیری و ترش روئی کتنا بڑا عیب ہے۔وہ دعا یہ ہے:

''اے اللہ! جو میری امت کے معاملات نمٹانے کے لیے کسی عہدے پر فائز ہو اور وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیا تو تو بھی اس پر نرمی فرما اور جو میری امت کے معاملات نمٹانے کے لیے کسی عہدے پر فائز ہو اور اس نے ان پر سختی کی تو تو بھی اس پر سختی فرما''۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا اور تمام معاملات میں نرمی اختیار کرنے والے کو محبوب جانتا ہے''۔

لمبی لمبی تقریریں کرنا اور دوسروں کو خوبصورت نصیحتیں کرنا بہت آسان کام ہے لیکن

ان پر خود عمل کرنا انتہائی دشوار گزار مرحلہ ہے مگر رحمت اللعالمین ﷺ نے صرف زبانی کلامی نصائح پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے مشعل راہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ جب کسی خادم پر ناراض ہوتے تو یہ فرماتے: اگر مجھے روز قیامت بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے اس مسواک سے خوب مارتا۔ دس سال تک خدمت اقدس میں رہنے والے انسؓ خود اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں ڈانٹنا، مارنا تو درکنار کبھی کسی کام کے نہ کرنے یا حکم عدولی پر باز پرس تک نہ فرمائی۔

کفار نے محسن انسانیت ﷺ کو تکالیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ ظلم کے بدلے دعا دی ۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ رحمت اللعالمین ﷺ جیسی دوسری شخصیت پیش کرنے سے قاصر ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کو رب العالمین نے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا تھا اور جسے رب العالمین رحمت اللعالمین بنا کر بھیجے، اس کا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی رحمت تھے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ بھی اسی طرح حسن اخلاق سے پیش آتے تھے جس طرح مسلمانوں کے ساتھ۔

مسند احمد میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ غیر مسلم تھے تو مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہمان بن کر آئے۔ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ رات بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت بھوکے رہے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی نے سر بازار کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی۔ ایک صحابی کھڑے سن رہے تھے، ان سے رہا نہ گیا، انہوں نے پوچھا: کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی؟ اس نے کہا: ”ہاں“، انہوں نے غصے میں

ایک تھپڑا سے مار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل واخلاق پر دشمنوں اور غیر مسلموں کو بھی اتنا اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گیا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی پر اظہار برہمی فرمایا۔ (صحیح بخاری)۔

ایک دفعہ کسی مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو ذمیوں کے حوالے کر دیا، جنہوں نے بدلے میں اس مسلمان کو قتل کر دیا۔ اسی طرح ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ تو ایک یہودی (غیر مسلم) ہے تو ارشاد فرمایا کہ کیا ہوا؟ ہے تو ایک انسان۔

انسان تو انسان رحمت اللعالمین ﷺ تو حیوانات پر بھی مہربان تھے جیسا کہ ایک موقع پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے آرام کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ”جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ اور جب قحط کے زمانے میں سفر کرو تو ان کو تیزی کے ساتھ چلاؤ۔“ (صحیح مسلم)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایسا اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا تو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ”ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو ان کو اچھی حالت میں رکھ کر سوار ہو اور ان کو کھاؤ تو اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ۔ (ابوداؤد)۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے منہ پر مارنے اور ان کو داغ دینے کی بھی ممانعت فرمائی ہے اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ بھوک سے بلبلا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس کے مالک کو بلا کر فرمایا: ”اس جانور کے بارے میں تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟“ (ابوداؤد)۔

رشتہ داروں کے حقوق اور صلہ رحمی

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر جب تہمت لگائی گئی تو اسے شہرت دینے میں دیگر افراد کے ساتھ حضرت مسطحؓ بھی شامل تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے رشتے دار تھے اور ابوبکرؓ ان کی اعانت فرمایا کرتے تھے۔ اس تہمت کے قصے میں شرکت سے حضرت ابوبکرؓ کو بے حد رنج ہوا اور انہوں نے قسم کھالی کہ مسطحؓ کی اعانت نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی:

اور جو لوگ تم میں بزرگی والے وسعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں گے اور ان کو چاہئے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کردیں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف فرمادے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (سورہ نور، رکوع ۳)۔

اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد ابوبکر صدیقؓ جتنا پہلے خرچ کرتے تھے، اس کا دوچند کردیا۔

خالق کائنات نے انسان کو پیدا کیا تو ساتھ میں مختلف رشتوں کو بھی تخلیق فرمایا تاکہ انسان احساس تنہائی کا شکار نہ ہو اور اس کی ہر خوشی وغمی میں اس کے عزیز و اقارب بھی شریک ہوں تاکہ اس کی خوشیاں دوبالا ہوسکیں اور غموں کو بانٹا جاسکے۔ والدین، اولاد، بہن بھائی، میاں بیوی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، ان کی اولادیں وغیرہ وغیرہ، یہ وہ رشتے ہیں جو ہر مشکل گھڑی میں اس کے شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے لیے ایک مضبوط سہارا ہوتے ہیں لیکن جس طرح ان کے کچھ فرائض ہیں اسی طرح ان کے کچھ حقوق بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے صلہ رحمی کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ قرآن

پاک میں درجنوں آیات میں اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ' نساء' انعام' انفال' یوسف' نحل' رعد' ابراہیم' بنی اسرائیل' مریم' طٰہٰ' فرقان' احقاف' نوح' نور' عنکبوت' لقمان اور محمد کے علاوہ بہت سی سورتوں میں صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے جبکہ احادیث مبارکہ تو بے شمار ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بے شک اللہ جل شانہ اعتدال کا اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور منع کرتے ہیں بے حیائی سے اور بری بات سے اور کسی پر ظلم کرنے سے اور تم کو (ان امور کی) نصیحت فرماتے ہیں تا کہ تم نصیحت قبول کرلو (نحل' ع ۱۳)۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' جس سے کہ اپنی حاجت طلب کرتے ہو اور رشتوں سے ڈرتے رہو یعنی ان کو جوڑتے رہو' توڑو نہیں (نساء۔ ع ۱)۔

اللہ تعالیٰ نے رشتے داروں کے مختلف حقوق متعین فرمائے تا کہ ایک طرف تو ایک دوسرے کے مسائل ومصائب کو بانٹا جا سکے جبکہ دوسری جانب تھوڑے سے عمل کے بدلے بہت زیادہ ثواب حاصل کیا جا سکے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی نیکی جس کا ثواب بہت جلد ملتا ہو' صلہ رحمی سے بڑھ کر نہیں ہے اور کوئی گناہ جس کا وبال دنیا میں اس کے علاوہ ملے جو آخرت میں ملے گا' قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر نہیں ہے (تنبیہ الغافلین)۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے نشانات قدم میں تاخیر کی جائے (یعنی عمر لمبی ہو) اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے (متفق علیہ)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن رحمٰن کے عرش کے سایہ میں تین قسم کے آدمی ہوں گے۔ایک صلہ رحمی کرنے والا......

نیز فرمایا: دو قدم اللہ کے یہاں بہت محبوب ہیں۔ ایک وہ قدم جو فرض نماز ادا کرنے کیلئے اٹھا ہو' دوسرا وہ قدم جو کسی محرم کی ملاقات کیلئے اٹھا ہو۔غریب پر صدقہ کرنا

صرف صدقہ ہے اور رشتے دار پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی (فضائل صدقات)۔

جس طرح رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک پر رب العالمین نے بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے اسی طرح ان کے ساتھ بدسلوکی اور حق تلفی پر تنبیہ بھی فرمائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور نہیں گمراہ کرتا اللہ تعالیٰ اس مثال سے مگر ایسے فاسق لوگوں کو جو توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے' اس معاہدہ کی پختگی کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو جن کے وابستہ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں' یہی لوگ ہیں پورے خسارے والے (سورۂ بقرہ: رکوع ۳)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کے جوڑنے کا حکم فرمایا ان کو توڑتے ہیں اور دنیا میں فساد کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی ہے (سورۂ رعد۔ ع ۳)

جس پر خالق کائنات لعنت فرمائے' کیا وہ شخص دنیا وآخرت میں کہیں بھی خوش رہ سکتا ہے؟ آج ہماری پریشانیوں' بےسکونی' بے برکتی اور رسوائی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے صلہ رحمی سمیت تمام احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ان بدبختوں کے نقش قدم پر چلنے میں ترقی اور عزت تلاش کرتے ہیں جنہیں خالق کائنات نے قیامت تک کیلئے گمراہ اور مغضوب قرار دیا ہے۔ غیروں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہونے والوں کا یہی انجام ہوا کرتا ہے جو کہ ہمارا ہو رہا ہے۔

حضرت حسنؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب لوگ علوم کو ظاہر کریں اور عمل کو ضائع کردیں اور زبانوں سے محبت ظاہر کریں اور دلوں میں بغض رکھیں اور قطع رحمی کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ اس وقت ان کو اپنی رحمت سے دور کردیتے ہیں اور اندھا بہرا کردیتے ہیں (درمنثور)۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کی خوشبو اتنی دور تک جاتی ہے کہ وہ راستہ پانچ سو برس میں طے ہو۔ والدین کی نافرمانی کرنے والا اور قطع رحمی کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا (احیاء)۔

قرآن پاک کی آیات' احادیث مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل بھی ہمارے سامنے ہے اور اپنے طرزِ عمل سے بھی ہم بخوبی واقف ہیں۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ ان کی مالی مدد کرتے ہیں' ان کے کاموں کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ کرتے ہیں' ان کے ناروا سلوک کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں' کسی برائی کا بدلہ نہیں لیتے اور ان کی جانب سے زیادتی اور قطع تعلق کے باوجود ان سے تعلق جوڑے رکھتے ہیں اور ہر موقع پر درگزر سے کام لیتے ہیں اور یہ سب کچھ کسی دنیاوی مفاد کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔

ذرا سوچئے! آج ہم اپنے عزیز واقارب کو تھوڑے سے حسن سلوک کے ذریعے خوش کر سکتے ہیں جس سے یقیناً اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوگا مگر کل جب بروز قیامت ہماری بدسلوکی وزیادتیوں پر یہی رشتے دار ہمارا گریبان پکڑیں گے اور مالک یوم الدین کی عدالت میں مقدمہ دائر کریں گے تو وہاں ہم ان کے حقوق کہاں سے ادا کریں گے؟ یہاں پر اپنی ناک ذرا سی نیچے کر لینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ یوم حشر میں ہماری ناک ہی کٹ جائے اور ہمیں دائمی رسوائی اور عذاب کا سامنا کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رشتہ داروں کے حقوق پہچاننے اور انہیں کما حقہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آزادیٔ نسواں اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

1792ء میں انگلستان کی ایک خاتون میری واس اسٹون کرافٹ نے ایک کتاب لکھی جس میں آزادیٔ نسواں کے نام پر مطالبہ کیا گیا کہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح آزادی دی جائے، انہیں گھر میں قید کرنے کے بجائے مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس سے قبل یورپ میں بھی حیا موجود تھی، عورتیں شترِ بے مہار کی طرح نہیں پھرا کرتی تھیں۔ بہرحال مردوں پر مشتمل حکومت نے اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کے لئے اسٹون کرافٹ کے مطالبے کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہوئے عورتوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینا شروع کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں پر خاندانی نظام ختم ہوگیا، اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا، عورت کا تقدس ختم ہوگیا اور وہ فقط دل بہلانے کا ایک کھلونا بن گئی جبکہ گھر گھر نہ رہا، سرائے بن گیا جہاں یکے بعد دیگرے گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

آج مادی وسائل کے اعتبار سے اہلِ مغرب دنیا میں پہلے نمبر پر ہونے کے باوجود سکون جیسی دولت سے محروم مشینی انسان بن چکے ہیں جن کی زندگی کا مقصد ہفتہ بھر پیسہ کمانا اور ویک اینڈ پر اسے بھرپور عیاشی میں صرف کردینا ہے۔ وہی برطانیہ جہاں 1792ء میں آزادیٔ نسواں کی تحریک چلی تھی، وہاں کی عورتیں آج اس آزادی سے تنگ آچکی ہیں۔ چند سال قبل وہاں ایک سروے کیا گیا جس میں عورتوں سے پوچھا گیا کہ آپ واپس گھر جانا چاہتی ہیں یا اسی طرح ''آزاد'' رہ کر کام کرنا چاہتی ہیں؟ تو 98 فیصد عورتوں نے جواب دیا کہ ہم واپس ''گھر'' جانا چاہتی ہیں لیکن ہمیں خاوند نہیں ملتے، باپ نہیں ملتے، بھائی نہیں ملتے جو ہماری حفاظت کرسکیں، کفالت کرسکیں لہٰذا آج یورپ کی

عورت چاہنے کے باوجود گھر واپس نہیں جاسکتی مگر حیرت انگیز طور پر مغرب کی عورت کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے مشرق کی عورت گھر سے باہر نکلنے کے لئے بے چین ہے۔

ایک جماعت تبلیغ کے لئے انگلینڈ گئی......ایک انگریز لڑکی نے مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ کر نکلنے والے ایک نوجوان سے پوچھا: انگلش آتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں آتی ہے۔ لڑکی نے پوچھا: یہ تم نے کیا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہم نے اپنے رب کی عبادت کی ہے۔ لڑکی نے کہا کہ آج تو اتوار نہیں ہے۔ نماز پڑھنے والے نے کہا کہ ہم دن میں پانچ مرتبہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں......وہ کہنے لگی کہ یہ تو بہت زیادہ ہے۔ پھر نوجوان نے اسے دین کے حوالے سے بات سمجھائی۔ کہنے لگی: اچھا ٹھیک ہے......پھر ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھایا تو اس نوجوان نے کہا کہ میں اپنا ہاتھ آپ کو نہیں لگا سکتا۔ اس نے حیرت سے پوچھا : کیوں؟ تو نوجوان نے جواب دیا کہ یہ ہاتھ میری بیوی کی امانت ہے، یہ صرف اسے چھو سکتا ہے، اس کے سوا کسی اور کو نہیں چھو سکتا۔ اس لڑکی کی چیخ نکل گئی اور روتی ہوئی زمین پر گر گئی، کہنے لگی کہ کتنی خوش نصیب ہے وہ عورت جس کا تو شوہر ہے......کاش یورپ کے مرد بھی ایسے ہوتے!

آج دنیا بھر میں آزادیٔ نسواں کا فریب دے کر عورت کو بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ اس پر دہری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے، ملازمت بھی کرے اور پھر گھر آکر گھر کے کام بھی کرے، بچے بھی پالے، وہ اپنے گھر کی جن ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنا چاہتی تھی ان سے تو جان نہ چھوٹ سکی البتہ ذمہ داریاں مزید بڑھ گئیں۔ گھر میں کچن کے کاموں سے تنگ تھی باہر نکلی تو جہازوں، ہوٹلوں میں، ایئر ہوسٹس، ویٹرس بن گئی، شوہر کی تابعدار رہنا اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی اب دفتر میں اپنے باس کو یس سر، یس سر کہتے نہیں تھکتی، اپنے بچے پالنے، ان کے پوتڑے دھونے کو دقیانوسیت سمجھتی تھی، اب بے بی ڈے کیئر سینٹر میں صبح سے شام تک یہی کام کرتی ہے، شوہر کی خدمت کرنے اور اس کیلئے

لبوں پر تبسم سجانے میں توہین محسوس کرتی تھی اب اسپتالوں میں دن رات مریضوں کی خدمت کرتی ہے اور دکانوں پر سیلز گرل بن کر ہر لمحہ مسکراہٹیں بکھیرتی رہتی ہے، گھر میں شوہر کی ڈانٹ ڈپٹ کو عورت کی تذلیل سمجھتی تھی اب دفتر میں بلاقصور ڈانٹ کھا کر بھی سوری کہہ کر خاموش ہوجاتی ہے اور ان سب ''قربانیوں'' کے باوجود اس کی معاشرے میں حیثیت کیا ہے؟ فقط مردوں کے دل بہلانے کا ایک کھلونا، ایک شوپیس، ایک سیکس سیمبل، ڈسپوزیبل تھنگ اور ایک ٹشو پیپر!

خالق کائنات نے مرد و عورت کو جسمانی ساخت، قوت اور عقل سمیت ہر لحاظ سے انفرادیت بخشی ہے، عورت کو نرم و نازک اور کمزور بنایا کیونکہ اس نے ڈھائی من کی بوری سر پہ نہیں اٹھانی، اس نے بڑی بڑی مشینیں، جہاز اور ٹرینیں نہیں چلانی، اس نے سڑکیں نہیں کھودنی، اس نے عمارتیں نہیں تعمیر کرنی۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو عقل اس کی ضرورت کے مطابق دی کیونکہ اسے کاروبار نہیں کرنا، کاروبار حکومت نہیں چلانا، دشمن کے خلاف جنگی تدابیر نہیں اختیار کرنی، اس کے فرائض گھر تک محدود ہیں۔ اس نے گھر پہ کھانا پکانا ہے، آٹے کی بوری سر پہ نہیں اٹھانی، اس نے کپڑے دھونے ہیں، واشنگ مشین کو اٹھا کر نہیں پھرنا اس لئے اسے صنف نازک بنایا۔ اس نے بچوں کی پرورش اور تربیت کرنی ہے لہٰذا اللہ نے اسے اتنی عقل سے نوازا ہے کہ وہ بچے کے رونے سے سمجھ جاتی ہے کہ وہ بھوکا ہے، اس نے پیشاب کیا ہے، اسے سردی یا گرمی لگ رہی ہے، اس کے پیٹ میں درد ہے یا پھر اسے ممتا کی طلب ہے، اسی طرح اس کے دماغ کے کمپیوٹر میں محفوظ ہے کہ کس کھانے میں کون کونسے مصالحے ڈالنے ہیں، کتنی مقدار میں ڈالنے ہیں، انہیں کتنی دیر تک پکانا ہے اور کتنے لوگوں کے لئے کس قدر کھانا کافی ہوگا۔ الغرض گھر کا نظام چلانے کے لئے جتنی عقل، طاقت، ہمت، تحمل اور صلاحیت کی ضرورت ہے وہ رب کائنات نے اسے عطا فرمادی ہے جس میں مرد اس کی برابری نہیں کرسکتا۔

آج باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کے تحت ہمارے ذہنوں میں یہ بٹھایا جارہا ہے کہ

جب تک یہاں کی عورتیں باہر نہیں نکلیں گی، انہیں ہر طرح کی آزادی نہیں دی جائے گی اس وقت تک یہ معاشرہ ''ترقی یافتہ'' نہیں بن سکتا۔ عورتوں کو بھی ورغلایا جارہا ہے کہ کب تک گائے، بکری کی طرح ایک کھونٹے سے بندھی گھر میں قید رہو گی؟ کب تک مرد کی محکوم رہو گی؟ اس پسماندہ طرز زندگی سے نجات حاصل کر کے دنیا کی رنگینیاں دیکھو، مرد کے شانہ بشانہ چلو، ہر میدان میں ترقی کر کے یہ ثابت کر دو کہ عورتیں کسی طور بھی مردوں سے کم نہیں ہیں۔

یہ فارمولہ پیش کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے تو غیر مسلم ہیں۔ ان کا نہ تو شرم وحیا سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی وہاں بوائے فرینڈ بنانا کوئی معیوب بات ہے لیکن ہم جس مذہب و معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں اس میں تو سب سے قیمتی چیز ہی شرم وحیا اور ناموس ہے۔ کیا یہاں کا کوئی بھی باپ، بیٹا، بھائی یا شوہر یہ برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی بیٹی، ماں، بہن یا بیوی کسی اور کی گرل فرینڈ بنے؟ جبکہ یہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی آزادی دینے کا منطقی نتیجہ ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم عورتوں کو شتر بے مہار کی طرح آزادی تو دے دیں مگر اس کے منطقی نتیجے سے محفوظ و مامون رہیں، ہم اپنی عزت کو دفاتر، بازاروں اور محفلوں کی رونق بھی بنا دیں اور کوئی انہیں نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے؟

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ یہاں مائیں فاقہ کشی سے تنگ آ کر اپنے بچوں سمیت خودکشیاں کر رہی ہیں، بڑے بڑے زمینداروں نے انہیں قرض کے بدلے گھر کی لونڈی بنا کر رکھا ہوا ہے، جاگیردار اور وڈیرے سر عام ان کی عزت لوٹ رہے ہیں' معاشرے کے مختلف طبقے ان پر جنسی تشدد کر رہے ہیں مگر اس تمام صورت حال کے باوجود فقط عورتوں کے نام پر قائم ہونے والی این جی اوز نے بھی آنکھیں بند کر رکھی ہیں، انہیں کہیں بھی عورت کا استحصال اور اس کے حقوق متاثر ہوتے نظر نہیں آ رہے مگر جونہی کوئی لڑکی اپنے خاندان والوں کے منہ پر کالک مل کر اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہو جاتی ہے تو یہ این جی اوز اس کے دفاع کیلئے میدان میں کود پڑتی ہیں اور عورت کے حقوق کی جنگ لڑنا

شروع کر دیتی ہیں، کیا یہ واقعات بھی ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟

عورت کے معنی ہی چھپی ہوئی چیز کے ہیں۔ رب کائنات نے اسے شمع محفل نہیں بلکہ چراغ خانہ بنایا ہے، اسی کے دم سے گھر میں روشنی ہے، عورت کے دم سے ہی گھر کی رونق ہے۔ خدارا! دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اپنے گھر کو برباد مت کیجئے، اپنے بچوں کو ممتا سے محروم مت کیجئے، انہیں نوکروں اور بے بی ڈے کیئر سینٹرز کے رحم و کرم پر مت چھوڑئے۔ آزادی کے گھوڑے پر سوار سونے کی بنی ہوئی اس سڑک پر مت دوڑیئے جس کا انجام خوفناک گڑھے پر ہوتا ہے یا جان لیوا دلدل پر۔

یتیموں کے حقوق اور ہمارا طرزِ عمل

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لئے ہاتھ پھیرا تو اس کے لئے یتیم کے سر پر ان بالوں کے عوض جن پر اس کا (محبت وشفقت سے) ہاتھ لگا ہے، نیکیاں ثابت ہوں گی اور جس نے اس یتیم لڑکے یا یتیم لڑکی کے ساتھ جو اس کی پرورش وتربیت میں ہوں، اچھا سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا (رواہ احمد وترمذی)

یتیم کے معنی اکیلے اور منفرد کے ہیں۔ جو موتی سیپ میں تنہا ہو اس کو ''دریتیم'' کہا جاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں یتیم اس نابالغ بچے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ برے سلوک کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تو نے اسے دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (سورۃ الماعون۔۳)

اس سورت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین مؤمن کی شان سے بعید ہے۔ یتیم سے بدسلوکی اپنی ذات میں بہت مذموم اور سخت گناہ ہے اس لئے اس پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ سورۂ فجر میں کفار کی بری خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بیان کی گئی ہے کہ

''تم یتیم بچے کا اکرام واحترام نہیں کرتے''

یعنی صرف یہی نہیں کہ تم یتیم کو اس کا حق دو اور اس پر خرچ کرو بلکہ واجب ہے کہ اس کی عزت واحترام بھی کرو اور اپنے بچوں کے مقابلے میں اس کو ذلیل وحقیر نہ جانو۔

باپ اپنے بچوں کے لئے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو بچہ باپ کے سائے سے محروم ہوگیا، گویا کہ اس کا سب کچھ چھن گیا۔ پورا معاشرہ مل کر اس بچے کو پیار کرے اور اس کا خیال رکھے تب بھی یہ باپ کا نعم البدل نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے غم کا کسی حد تک مداوا ہوسکتا ہے لہٰذا معاشرے کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ یتیم بچے کو اپنی آغوش محبت میں لے، اسے پیار کرے، اس کے مال واسباب کی حفاظت کرے، اس کی تعلیم وتربیت کی فکر کرے اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھے تاکہ اس کا ننھا سا ذہن انتشار اور منفی سوچ کا شکار نہ ہو اور یہ سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو۔ کسی مالی منفعت، بدلے یا نام و نمود کے لئے نہ ہو۔

ایسے ہی لوگوں کی مدح کرتے ہو رب کائنات نے فرمایا کہ (ایسے لوگ نیکی کرنے کے بعد یوں کہتے ہیں) ہم تو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکر گزاری (سورۂ دہر۔۱۱)

دیگر معاملات کی طرح آج ہم یتیموں کے معاملے میں بھی اسلامی تعلیمات وسنت نبوی کی خلاف ورزی اور زمانۂ جاہلیت کے مشرکین کی راہ پر گامزن ہیں۔ اگر ہمارے کسی عزیز کا انتقال ہوجاتا ہے تو سب سے پہلے تو قبرستان سے واپسی پر پھر سوئم، جمعرات، چہلم اور برسی کے نام پر مرحوم کے یتیم بچوں کا مال ہڑپ کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی جس کا بس چلتا ہے وہ ان بے بس ومعصوم بچوں کو وراثت میں ملنے والے اثاثوں پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ چچا، تایا اور ماموں جیسے قریبی رشتے داروں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ اپنے بھانجوں، بھتیجوں کے مال پر قابض ہوگئے جبکہ اصل وارث دربدر بھیک مانگتے پھر رہے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو یہ سوچتے ہیں کہ ان یتیم بچوں کا کیا بنے گا اور نہ ہی یہ سوچتے ہیں کہ کل کو میرے بچے بھی یتیم ہوسکتے ہیں اور ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوسکتا ہے جبکہ خالق کائنات یہ حکم دے رہا ہے کہ:

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ

اپنے سن رشد کو پہنچ جائے (سورۂ بنی اسرائیل)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے (سورۂ نساء۔۱۰)

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانے کو گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات ہلاک کردینے والی باتوں سے بچو'' پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) جادو کرنا (۳) کسی کو ناحق قتل کرنا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) میدان جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا (۷) پاک دامن ایمان والی اور بے خبر عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا (متفق علیہ)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے ان کو گھسیٹ کر، ان کا منہ کھول کر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس رہے ہیں جو ان کے پیٹ میں سے پیچھے راستے سے نکل جاتے ہیں اور وہ بری طرح چلا رہے ہیں، ہائے وائے مچا رہے ہیں، میں نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے بتایا: ''یہ یتیموں کا مال ناحق کھا جانے والے ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے (ابن کثیر)۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

یتیم کا مال ناحق کھانے والا قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ پیٹ کے اندر سے آگ کی لپٹیں اس کے منہ، ناک، کانوں اور آنکھوں سے نکل رہی ہوں گی۔ ہر دیکھنے والا پہچان لے گا کہ (یہ بدبخت) یتیم کا مال کھانے والا ہے (ابن کثیر)۔

اسلام نے یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور اس پر شفقت کرنے اور کھانا کھلانے کو جنت میں داخلے کا سبب بتایا گیا ہے اور کسی یتیم کی بے غرض پرورش و دیکھ بھال کو بہت بڑا عمل بتایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے (ابن ماجہ)۔

عام طور سے دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض لوگ یا تو وقتی طور پر جذبۂ ہمدردی کے تحت یا پھر کسی لالچ کے باعث کسی یتیم کو گھر تو لے آتے ہیں مگر اس کے بعد وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ یہ بچہ بھی انسان ہے اور اس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ ان کے گھر میں اس یتیم بچے کو نوکروں کے برابر درجہ بھی نہیں دیا جاتا بلکہ اسے غلام تصور کر لیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس بچے کے ساتھ ہر زیادتی اور ہر ظلم کا حساب دینا پڑے گا اور ویسے بھی بحیثیت مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اگر کسی مسلمان بھائی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے یتیم بچے دوسرے مسلمانوں کے بھتیجے ہیں لہٰذا اپنے مرے ہوئے بھائی کے بچوں پر ظلم و ستم ڈھانا یقیناً ضمیر کے مردہ ہونے کی علامت ہے۔

بعض لوگ کسی یتیم کی سرپرستی محض اس لئے قبول کرتے ہیں تاکہ اس کے مال پر قابض ہو سکیں اور پھر یتیم بچے کو تو گھر میں عضو معطل بنا دیا جاتا ہے جبکہ اس کی دولت پر یہ عیش کرتے پھرتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ تو جائیداد پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے اصل وارث کو گھر سے ہی نکال دیتے ہیں جبکہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ:

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے (سورۂ انعام ۱۵۲)۔

الغرض یتیم کے حقوق اور اس کے مال و جائیداد کے معاملے میں ہر شخص کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے کیونکہ اس دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے اور یہاں کی پریشانی اور راحت بھی اسی قدر مختصر و محدود ہے۔ اصل زندگی تو مرنے کے بعد کی ہے جہاں کی تکلیف و پریشانی بھی دائمی ہے اور خوشی و راحت بھی۔ یتیم کا مال غصب کرنے والا خواہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، چند سال کے بعد خاک میں مل جائے گا پھر اس کی اولاد اس حرام مال کو عیاشی میں صرف کر کے خود بھی جہنم کا ایندھن بنے گی اور اپنے ظالم باپ کے گناہوں میں بھی اضافہ کا باعث بنے گی لہٰذا ہوشیار وہ نہیں جو کسی یتیم کے مال پر قبضہ کر کے کروڑ پتی بن جائے بلکہ عقل مند وہ ہے جو یتیم کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے ہوئے جنتی بن جائے۔

کیا ہم رحمۃ للعالمین ﷺ کے امتی ہیں؟

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر دعوت اسلام اور توحید کی منادی شروع فرمائی تو طائف کے سرداراور اس کے بھائیوں نے اپنے غلاموں، شریر اور بازاری لڑکوں کو ورغلایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دق کریں، ایذا پہنچائیں اور مذاق اُڑائیں۔ ایک مرتبہ ان بدمعاشوں نے آپ ﷺ پر اس قدر کیچڑ اور پتھر پھینکے کہ آپ ﷺ نے ایک احاطہ کے اندر جا کر پناہ لی۔

ایک دفعہ جسم اطہر پر اتنے پتھر مارے کہ جسم سے خون جاری ہوگیا اور پائے مبارک کا جوتا خون سے جم کر پاؤں سے چمٹ گیا۔ ایک موقع پر ایسی ضرب لگی کہ آپ ﷺ بے ہوش ہوگئے۔ حضرت زیدؓ جو اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر اٹھا کر بستی سے باہر لے گئے، ایک چشمے سے پانی لیکر چھینٹے منہ پر ڈالے تو ہوش آیا۔ اس موقعے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے تشریف لائے اور اہل طائف کو پہاڑوں کے درمیان کچل دینے کی اجازت طلب کی مگر زخمی دل اور زخموں سے چور چور جسم کے باوجود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سزا دینے یا بددعا کرنے کے بجائے فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا، امید ہے کہ ان کی اولاد ضرور کلمہ پڑھنے والی ہوگی۔

جنگ احد میں جب سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک شہید ہوئے اور چہرۂ انور پر بھی زخم ہوگیا تو صحابہ کرامؓ پر یہ بات نہایت شاق گزری۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کفار کے حق میں بددعا کیجئے۔ محسن انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ میں بددعا کرنے کیلئے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ رحمت کے ساتھ بھیجا

گیا ہوں، حق کی طرف بلانا میرا کام ہے نہ کہ بد دعا کرنا۔ پھر دست مبارک اٹھا کر یوں دعا فرمائی:

''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما، وہ مجھے پہچانتی نہیں''۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے مشعل راہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ جب کسی خادم پر ناراض ہوتے تو یہ فرماتے:

اگر مجھے روز قیامت بدلے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے اس مسواک سے خوب مارتا۔

دس سال تک خدمت اقدس میں رہنے والے انسؓ خود اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں ڈانٹنا، مارنا تو درکنار کبھی کسی کام کے نہ کرنے یا حکم عدولی پر باز پرس تک نہ فرمائی۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ دشمنوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، ظلم کے بدلے احسان کیا، بد دعا کے بدلے دعا دی، محروم کرنے والوں کو عطا فرمایا، ایذا دینے والوں سے درگزر فرمایا، جان کے دشمنوں کو امان دی، دربدر کرنے والوں کو پناہ دی، گندگی ڈالنے اور کانٹے بچھانے والوں کو تحائف دیئے، کسی کی دشمنی آپ ﷺ کو مشتعل نہ کر سکی، اپنوں کے لئے بھی رحمت، غیروں کے لئے بھی رحمت۔

ہم بھی اسی نبی رحمت ﷺ کے امتی ہیں، آپ پر ایمان بھی رکھتے ہیں، عاشق ہونے کے دعویدار بھی ہیں، آپ کی تعلیمات کو دونوں جہاں کی کامیابی کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کے خواہاں بھی ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم گروہوں و فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، سارے فرقوں کے پیروکار ''مسلمان'' بھی ہیں مگر ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی، ہر فرقے کی زنبیل کفر کے فتوؤں سے بھری پڑی ہے، جسے تقسیم کرنے میں وہ بخل سے کام نہیں لیتے، باوجود اس کے کہ آپ ﷺ ہمیں واضح طور پر تنبیہ فرما چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک تو کافر ہو ہی گیا، اگر سامنے والا

کافر ہے تو ٹھیک، ورنہ یہی کفر کا فتویٰ خود کہنے والے پر لوٹ آئے گا۔

کسی گاؤں میں پولیس والے نے ایک صحافی کو پکڑ لیا، اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں صحافی ہوں۔ پولیس والے نے اس کی پٹائی شروع کر دی، لوگ جمع ہو گئے، پوچھا کیا معاملہ ہے؟ پولیس اہلکار نے بتایا کہ یہ کہتا ہے میں صحابی ہوں، صحابی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کو کہتے ہیں، پھر یہ کیسے صحابی ہوسکتا ہے۔ یہ سنتے ہی پورا مجمع اس صحافی پر ٹوٹ پڑا اور اسے نشان عبرت بنا دیا۔

یہی کچھ آج کل یہ فرقہ پرست جماعتوں کے رہنما بھی کر رہے ہیں کہ ایک اچھے بھلے دیندار شخص پر کفر یا گستاخی کا الزام لگا کر وہ ''ایمان افروز'' تقریر کرتے ہیں کہ پورا مجمع اس کے خلاف ''جہاد'' کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھر ان ''مجاہدوں'' کے رستے میں وہ مطعون شخص آجائے، اس کا گھر یا اس کی مسجد، سب کچھ ملیا میٹ کر دیا جاتا ہے اور پھر اس جرأت رندانہ پر تمام ''غازی'' جنت کے حقدار ٹھہرائے جاتے ہیں، جبکہ دوسری جانب مرنے والا بھی ''شہید'' کا رتبہ پاتا ہے۔ آخر یہ کون سا جہاد ہے جس میں مرنے والا شہید اور بچنے والا غازی!

اسی گروہ بندی کا نتیجہ ہے کہ کوچہ و بازار تو چھوڑیئے، ہماری مساجد تک میدان جنگ بن رہی ہیں، مسجدوں میں تالے لگ رہے ہیں، جگ ہنسائی ہو رہی ہے، بیرون ملک غیر مسلم ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ تم ہمیں کیا مسلمان کرو گے پہلے خود تو مسلمان ہونے کی سند پیش کرو، تم میں کوئی فرقہ ایسا بھی ہے جو کفر کے فتوے سے بچا ہوا ہو، جسے دوسرے فرقے بھی مسلمان تسلیم کرتے ہوں، اگر تم ہمیں کافر کہتے ہو تو دوسرے فرقے تمہیں کافر کہتے ہیں، پھر ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے؟

صحابہ کرامؓ جب کفار کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے تو ان سے یہی کہتے کہ ہم جیسے بن جاؤ، کامیاب ہو جاؤ گے اور کفار ان کے کردار، اخلاق اور دینداری دیکھ کر مسلمان ہوتے چلے گئے۔ ہم بھی ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہم خود کو غیر

مسلموں کے سامنے اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ ہم جیسے بن جاؤ، کامیاب ہو جاؤ گے؟ وہاں سے یقیناً یہی جواب ملے گا کہ:

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بند قبا دیکھ

قرآن وحدیث ان تعلیمات سے بھرے ہوئے ہیں کہ دنیا بھر کے مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں کہ جسم کے کسی بھی حصے میں درد ہو، تکلیف ہو تو پورا جسم محسوس کرتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ''امت مسلمہ'' تو درکنار ''پاکستانی امت'' بھی نہ بن سکے۔ ہم فلسطین، عراق، افغانستان، کشمیر اور برما کے مظلوم مسلمانوں کا درد کیا محسوس کریں گے، ہم تو اپنے ہی وطن کے مسلمان بھائیوں کو یہ کہہ کر تڑپتا، سسکتا چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ ہمارے گروپ کا بندہ نہیں ہے۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جسے قرآن نے رحمۃ للعالمین اور عظیم اخلاق والا قرار دیا، وہ نبی جس نے مکہ و مدینہ کے مہاجرین و انصار کو اخوت و بھائی چارے کی لڑی میں پرو دیا، وہ نبی جس نے غلبہ پانے کے باوجود فتح مکہ کے موقع پر اپنے بدترین دشمنوں کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ان کے گھروں کو جائے پناہ قرار دے دیا، وہ نبی جس کی لغت میں بدلہ، انتقام اور غیض و غضب کے الفاظ ہی نہیں تھے، وہ نبی جو گالیاں اور مار کھا کر بھی ان ظالموں کی ہدایت کے لئے رات رات بھر گڑگڑاتا تھا اور وہ نبی جو انسان تو انسان حیوانات کی تکلیف پر بھی آبدیدہ اور بے چین ہو جاتے تھے، ہم اسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکار ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم بداخلاقی کے ''بلند ترین مقام'' پر فائز ہو چکے ہیں۔ کفار کے ساتھ درگزر، مساوات، رواداری، حسن اخلاق اور صبر و تحمل تو درکنار، اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی آتش فشاں بنے رہتے ہیں، دشمنوں کو تو چھوڑیئے، اپنوں کے خون کے پیاسے ہیں، ہماری کتاب زندگی کا پہلا سبق ہی یہ ہے کہ ''اینٹ کا جواب پتھر سے دو''۔

ہم اپنوں و غیروں کے لئے ہدایت کی دعا اس لئے نہیں کرتے کہ ہمیں بددعاؤں

سے ہی فرصت نہیں اور ہم اپنے مخالف گروپ کے مسلمانوں کو جانوروں جتنے حقوق بھی دینے کیلئے تیار نہیں۔ کیا یہی ہمارا اسلام ہے، کیا یہی اتباع سنت ہے، کیا یہی عشق رسول ﷺ ہے، کیا یہی انسانیت ہے؟ کیا آپ ﷺ کی زندگی بھر کی محنت کا یہی مقصد تھا کہ مسلمان سال میں ایک مرتبہ ''یوم نبی ﷺ'' منا کر باقی دنوں میں ''ایام شیطان'' منائیں؟ یاد تو اس کی منائی جاتی ہے جسے بھلا دیا جائے، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو ہمارے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ ہمارا تو ہر سانس نبی ﷺ کی محبت، ہر لمحہ یاد اور ہر فعل اتباع سنت سے منور ہونا چاہئے۔ یاد رکھئے! اسلام منانے کا نہیں اپنانے کا دین ہے، ہر سال، ہر ماہ، ہر ہفتہ، ہر روز اور ہر لمحہ۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا پیغام امن وسلامتی

یہ یونان ہے، یہاں غلاموں کو انسانیت کے ابتدائی حق زندگی سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ آقاؤں کی پیشانی پر پڑنے والی ایک شکن ان کی زندگی کا خاتمہ کر سکتی ہے، انہیں بھوکے شیروں کے سامنے ڈال کر ہڈیوں کے گوشت سے جدا ہونے کا منظر دیکھنا ارکان حکومت کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ یہ ہندوستان ہے جہاں انسانوں کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے حقوق انسانیت کو صرف تین ذاتوں کیلئے مخصوص کر دیا گیا ہے، جب کہ اچھوت پر زندگی تنگ کر دی گئی ہے، حتیٰ کہ کسی مذہبی کتاب کو ہاتھ لگانے یا عبادت گاہ میں داخل ہونے کے جرم میں اسے واجب القتل قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ ایران ہے جہاں فحاشی و بدکاری جزو دین بنا دی گئی ہے۔ ''دین مزدکی'' نے عصمت وعفت کی چادر اتار کر عوام کی بہو، بیٹیوں کو امراء کی شہوت پرستی کے ہاتھوں کھلونا بنا دیا ہے۔ یہ ارض فلسطین ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے خون سے لالہ زار ہو رہی ہے۔ نصرانی حکومت یہود کے ساتھ غلاموں کا سا برتاؤ کرتی ہے، حتیٰ کہ انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی بھی آزادی حاصل نہیں ہے، جب کہ دوسری جانب یہود نے شہر ''صور'' کا محاصرہ کر کے ہزاروں عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا اور جنگ روم وفارس میں ایرانیوں کے ہاتھوں قید ہونے والے 80 ہزار عیسائی قیدیوں کو خرید کر ان کے خون سے اپنی آتش انتقام کے شعلوں کو سرد کر رہے ہیں۔

مدائن سے قسطنطنیہ تک کی زمین بے گناہوں کے خون سے رنگین ہو رہی ہے، آبادیاں اجڑ رہی ہیں، عصمتیں لٹ رہی ہیں۔ کھیتیاں پامال ہو رہی ہیں، نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال اور نہ آبرو، انسانوں کی کھوپڑیوں پر قیصر وکسریٰ کے محلات تعمیر ہو رہے

ہیں، جب کہ سرزمین عرب کا حال تو سب سے بدتر ہے۔ جنگ وجدال، قتل وغارت، قمار بازی، شراب نوشی، بدکاری اور ظلم وجبر کو نہ صرف جائز تصور کرلیا گیا ہے بلکہ یہ وہ قابل فخر کارنامے ہیں جنہیں شعر وادب میں فخریہ بیان کر کے داد وصول کی جارہی ہے۔ غرض وہ اندھیر مچی ہوئی ہے کہ اسے حیوانیت قرار دینا خود حیوانیت کی توہین کے مترادف ہے۔

اسی گھٹاٹوپ اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن پھوٹی، عرب کے صحرا سے ایک ایسا آفتاب طلوع ہوا جس نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہوکر اعلان کیا:

اے لوگو! تم (جو اخوت ومحبت کے رشتے کو توڑتے ہو) اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا، پھر ان دونوں کی نسل سے گروہ در گروہ مرد اور عورتیں پیدا کیں (جو سطح ارضی کے مختلف حصوں میں پھیل گئیں) یعنی جب تمہارا خالق ومالک ایک ہے، تمہاری اصل ونسل ایک ہے تو پھر یہ وطنیت، قومیت اور رنگ ونسل کے جھگڑے کیسے اور ایک جیسے انسانوں کے مابین صرف غربت وامارت، حاکمیت ومحکومیت کی بناء پر امتیاز کیوں؟ پھر نسلی وقومی برتری اور زر وجواہر کے خودساختہ بتوں کو توڑ کر اس محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو یہ درس دیا کہ:

تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا گیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، ورنہ رب کائنات کے نزدیک سب سے زیادہ معزز تو وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

پھر اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اگلا سبق یہ دیا کہ:

نیکی اور بدی کا درجہ برابر نہیں ہوسکتا۔ برائی کا جواب اچھائی کے ساتھ دو۔ اگر تم نے یہ طرز عمل اختیار کیا تو تم دیکھو گے کہ اچانک تمہارا دشمن تمہارا دلی دوست بن جائے گا۔ البتہ انسانیت کے اس بلند مقام پر وہی پہنچ سکتا ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے اور جس کی قسمت میں نیکی وسعادت کا حظ عظیم ہو۔

نیز مزید ترغیب یوں دی:

اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ہر تکلیف پر صبر کیا، نمازوں کو ان کے آداب کے ساتھ ادا کرتے رہے اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا اس میں سے کچھ پوشیدہ وعلانیہ ہماری راہ میں خرچ کرتے رہے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے رہے تو یاد رکھو یہی لوگ ہیں جن کیلئے آخرت کا بہتر ٹھکانہ ہے۔

اس آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمی انصاف کی بنیاد رکھتے ہوئے حکم دیا کہ دشمن ہوں یا دوست، اپنے ہوں یا پرائے، کسی سے بھی برتاؤ کرتے وقت عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے تا کہ کسی بھی صورت ظلم پروان نہ چڑھ سکے لہٰذا فرمایا:

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس سے بے انصافی پر آمادہ نہ کردے۔ عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دو کہ وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔

ظلم کا قلع قمع کرنے کے لئے اجازت دی گئی کہ: جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے۔

یعنی ظلم کا بدلہ لیا جا سکتا ہے مگر یہ نہیں کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دو اور اگر کسی نے تمہیں ایک تھپڑ مارا ہے تو تم اس کو نشان عبرت بنا دو بلکہ اگر تم نے ایک کے جواب میں دو تھپڑ مار دیئے تو اب تم ظالم بن گئے لہٰذا اب تمہیں اس ظلم کا بدلہ دینا پڑے گا۔ اس قدر باریکی سے انصاف کا درس دینے کے باوجود اس بات کی ترغیب دی کہ "اور درحقیقت جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے اور جس نے معاف کیا اور صلح کی راہ اختیار کی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے"۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی احکام یا دوسروں کو ہی ترغیب نہیں دی بلکہ سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا، کفار مکہ نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں، دیوانہ ومجنوں کہا، مذاق اڑایا، آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے، نجاست پھینکی، آپ

ﷺ کو زخمی کیا، قتل کی سازش کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا اور صرف آپ ﷺ کی ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کا ساتھ دینے والوں کی زندگی بھی اجیرن کر دی گئی اور اس ازلی دشمنی کی وجہ نہ تو ذاتی اختلافات تھے، نہ جائیداد، نہ خاندانی جھگڑے تھے اور نہ اقتدار کی جنگ بلکہ توحید کا پرچار آپ ﷺ کا ناقابل معافی جرم ٹھہرا۔

اس کے باوجود اہل طائف کی درندگی و ظلم کے جواب میں آپ ﷺ نے ان کیلئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ ایک موقع پر صحابہ کرامؓ کے اصرار کے باوجود آپ ﷺ نے دشمنوں کو بددعا دینا تک گوارا نہ کیا بلکہ فرمایا کہ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ فتح مکہ وہ تاریخی دن تھا جب اسلام غالب آ گیا اور بڑے بڑے دشمنان اسلام یہ سوچ کر کانپ رہے تھے کہ آج تو ہماری لاشوں سے مکہ کے گلی کوچے بھر جائیں گے لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی تاریخ رقم کرتے ہوئے اعلان عام فرما دیا کہ:

آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے، جاؤ تم سب آزاد ہو، جو چاہو کرو۔

پھر حجۃ الوداع کے موقع پر امت کے نام آخری پیغام میں بھی امن و سلامتی کو اپنا منشور قرار دیتے ہوئے اور انتقام کی آگ کو ہمیشہ کیلئے سرد کرتے ہوئے فرمایا:

سنو! میں جاہلیت کی تمام رسمیں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں اور انتقام خون کی رسم بھی اپنے پاؤں تلے کچلتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے بھائی ربیعہ ہی کے خون کے مطالبے کو ختم کرتا ہوں۔

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی امن و سلامتی پر مبنی تعلیمات آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی دنیا بھر کی امن پسند و صلح جو قوموں کیلئے مشعل راہ ہیں اور قیامت تک رہیں گی کیونکہ اسلام کی بنیاد ہی امن و سلامتی ہے، اپنے لئے بھی اور دوسروں کیلئے بھی۔

عہد نبوی میں نظام حکومت

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حجرۂ مبارک میں حاضر ہوئے جہاں آپ ﷺ کی ضرورت کی چیزیں ہوا کرتی تھیں، دیکھا تو آپ ﷺ ایک چمڑے کے تکیے سے، جس میں کھجور کے پتے اور چھال بھری ہوئی تھی، ٹیک لگائے ہوئے چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ حجرہ میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی لیکن تین سوکھے چمڑوں کے سوا کوئی دوسرا اثاثہ نظر نہ آیا، صرف ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے۔ اس منظر سے عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ آپ ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں، جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ چٹائی کے نشان پشت مبارک پر پڑ گئے ہیں اور آپ ﷺ کے گھر کا اثاثہ میرے سامنے ہے، ادھر قیصر و کسریٰ ہیں جو باغ و بہار اور عیش و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں جبکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے بے نیاز ہیں۔ ارشاد فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت لیں اور وہ دنیا؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ہاں! بے شک یا رسول اللہ!

آپ ﷺ کی اس عملی تعلیم کا ہی نتیجہ تھا کہ وہی حضرت عمرؓ جو آپ ﷺ کے لئے عیش و آرام کی زندگی کی آرزو کر رہے تھے، جب ان کی خلافت کا وقت آیا تو وہ بھی گدڑی اور پیوند لگے کپڑے پہن کر اور جھونپڑے میں بیٹھ کر سونے چاندی اور زر و جواہر والے قیصر کے روم اور کسریٰ کے ایران پر حکمرانی کر رہے تھے اور ہر میدان میں ان کو شکست دے رہے تھے۔

دنیا بھر میں جو بھی سلطنتیں قائم ہوئیں یا ہو رہی ہیں ان کا بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے

کہ اپنی حکومت قائم کر کے کروڑوں افراد پر راج کیا جائے اور عیش کی زندگی بسر کی جائے۔ عمومی قاعدہ یہی ہے کہ ایک شخص ایک گروہ کو لے کر نکلتا ہے اور لاکھوں افراد کو تہہ تیغ کر کے ہزاروں گھروں کو ویران کر دیتا ہے اور اپنی سرداری و بادشاہت کا اعلان کر دیتا ہے' اس تمام خونریزی کا مقصد یا تو شخصی سرداری یا خاندانی برتری یا پھر اپنی قوم کو عظمت دلانا ہوتا ہے مگر رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظام حکومت کے قیام کیلئے جو جدوجہد کی اور جو قربانیاں دیں ان کا مقصد نہ تو سرداری کا حصول تھا' نہ اپنی قوم کی بادشاہت کا قیام' نہ عربی سلطنت اور نہ ہی مال و دولت کا حصول بلکہ اس تمام تر جدوجہد کا واحد مقصد ایک شہنشاہ ارض وسماء کی بادشاہی کا اعلان اور بندوں کو بندوں کی غلامی اور جھوٹے خداؤں کی بندگی سے نکال کر اس وحدہ لا شریک کی بندگی میں لانا تھا جو درحقیقت ہر قسم کی عبادت و بندگی کا سزاوار ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے ایک ایسا عادلانہ نظام قائم کر کے دکھا دیا جس میں قومیت' زبان' رنگ' نسل اور وطن کی کوئی اہمیت نہیں تھی' جہاں عدالت کی نظر میں ایک غلام اور امیر المؤمنین دونوں برابر تھے' جب تک کہ حق دار کو حق اور مظلوم کو انصاف نہ مل جائے۔

ایک مرتبہ ایک مخزومی خاتون نے چوری کی تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ چونکہ وہ معزز خاندان کی عورت تھی تو بعض حضرات نے آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت اسامہ بن زیدؓ جن سے آپ ﷺ اپنے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے، کے ذریعے سفارش کروانا چاہی۔ اس پر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی معمولی آدمی کوئی جرم کرتا تو اس کو سزا دی جاتی مگر جب وہی جرم بڑے مرتبے کے لوگ کرتے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا۔ پھر فرمایا کہ اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو یقیناً اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ (صحیح بخاری)

سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دوسرے بادشاہوں کی طرح نہ تو سونے چاندی

کا سامان اور حریر و ریشم کا لباس اختیار فرمایا' نہ محلات میں رہائش اختیار فرمائی' نہ عالیشان تخت بنوائے اور نہ ہی کوئی مخصوص شاہی سواری اختیار فرمائی بلکہ ایک عام مسلمان جیسی وضع قطع اور طرز زندگی اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ نے نشست میں بھی برتری و امتیاز کو مٹا دیا' مجلس کے اندر آپ ﷺ اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا' حتیٰ کہ آپ ﷺ کی مجلس میں باہر سے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا تھا کہ محمد ﷺ کون ہیں؟

اس وقت کی شاہانہ حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد قانون سے مستثنیٰ تصور کئے جاتے تھے مگر یہاں یہ حال تھا کہ ہر قانون الٰہی کی تعمیل کا اصل نمونہ آپ ﷺ اور صحابہؓ تھے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو مال تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک آدمی آیا اور حرص کے مارے آپ ﷺ کے اوپر ٹوٹ پڑا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی تھی' آپ ﷺ نے اِس سے اُس کو روکا جس کی وجہ سے اس کے چہرے پر زخم آ گیا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو اسی وقت فرمایا: آؤ اور مجھ سے قصاص لو لیکن اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا (ابوداؤد)۔

بادشاہ عموماً شاہی خزانے کو اپنی ملکیت تصور کیا کرتے ہیں' لیکن آپ ﷺ نے تمام محاصل کو بیت المال کی ملکیت اور عوام کا حق قرار دیا حتیٰ کہ آمدن کے سب سے بڑے سرکاری ذریعے زکوٰۃ کو خود پر اور اپنے خاندان پر حرام قرار دیا۔ جب وظائف تقسیم ہوتے تو سب سے پہلے آزاد شدہ غلاموں کو ان کا حصہ دیا جاتا۔

عمال و حکام درحقیقت خلیفہ یا بادشاہ کے قائم مقام ہوتے ہیں' اس لئے ان پر نکتہ چینی گویا خلیفہ یا بادشاہ پر نکتہ چینی کرنا ہے' عہد نبوت میں بعض لوگوں نے عمال نبوی کی شکایت کی لیکن آپ ﷺ نے انہیں قانون کی کسی دفعہ کے ذریعے خاموش کرنے یا حکام کی حمایت میں معترضین پر فرد جرم عائد کرنے کے بجائے اخلاقی طور پر دونوں کو سمجھا دیا۔ عمال سے فرمایا: ہاں' مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا کہ ان کی دعا اور قبولیت میں کوئی چیز

حائل نہیں ہوتی اور معترضین سے فرمایا کہ تم اپنے عاملوں کو اپنے عمل سے راضی رکھو۔ (صحیح مسلم)

فخر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے علاوہ بھی عقل و دانش اور علم و فہم میں تمام انسانوں سے اعلیٰ و برتر تھے' اس کے باوجود صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی طبیعت بھی تھی اور حکم الٰہی بھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اے رسول! امور سلطنت اور جنگ و صلح میں) اپنے رفیقوں سے مشورہ لے لیا کیجئے۔ (سورۂ آل عمران)

اسلام کا ایک فیض یہ بھی ہے کہ اس نے سلطنت کو بھی مذہب اور عبادت بنا دیا۔ وہ شعبۂ حیات جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''سیاست میں سب کچھ جائز ہے'' اسلام نے اسے اتنا پاک و بلند کر دیا کہ وہ عرش کا سایہ بن گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: عادل اور متواضع حاکم زمین میں اللہ کا سایہ ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عادل امام کو قیامت کے دن اللہ کا سایہ نصیب ہوگا۔

اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ جو لوگ سلطنت کے کاموں کو اخلاق اور نیکی کے ساتھ انجام دیں' انہیں اپنے اس حسن عمل کا ثواب اسی طرح ملے گا جس طرح دوسری عبادات کا' گویا حکومت کرنا بھی ایک عبادت ہے' ان تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ سلطنت بھی عبادت بن گئی اور ہر قسم کی بددیانتی' خیانت' فریب' سازش اور ظلم و زیادتی کا سیاست سے خاتمہ ہو گیا۔

آج بھی محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر چل کر ایک ایسی حکومت قائم کی جا سکتی ہے جو عوام کی خیر خواہ و ہمدرد ہو اور عوام اس کے خیر خواہ ہوں پھر امن و امان اور ترقی و خوش حالی کی تمام راہیں کھل جائیں گی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عظیم مقصد کے حصول کیلئے جس سطح کی قربانی درکار ہے' وہ قربانی کون دے؟۔

ایک کامیاب سیاستدان

مدبر اعظم ﷺ

مشہور مؤرخ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب قوم سیاست سے بالکل ناواقف تھی بلکہ ان کا مزاج ہی غیر سیاسی تھا۔ اس حقیقت سے کون واقف نہیں کہ اہل عرب اسلام سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہیں ہوئے۔ پوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا مجموعہ تھی، جس کی ساری قوت وصلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہو رہی تھی۔ اتحاد، تنظیم، قومی شعور اور اطاعت امیر وغیرہ، جن پر اجتماعی وسیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں، ان میں بالکل مفقود تھیں۔ ان کا مزاج اس قدر غیر سیاسی تھا کہ ان میں مرکزیت اور وحدت پیدا کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ خود قرآن نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ: اور تم زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر لیتے تب بھی ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ نہیں سکتے تھے۔

لیکن فخر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز یہی ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف اپنے پیروکاروں کو انفرادی طور پر عابد وزاہد بنا دیا بلکہ انہیں اجتماعی زندگی گزارنے کے حوالے سے وہ شعور عطا فرمایا کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے مختلف گروہ اور قبائل، ملت واحدہ بن گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک طرف عبادت کے طریقے بتائے تو دوسری طرف آئین وسیاست کے وہ اسرار و رموز سکھائے کہ ان بوریا نشینوں نے قیصر وکسریٰ جیسی عالمی طاقتوں کا غرور خاک میں ملا دیا۔ آپ ﷺ نے سیاست کو مفاد پرستی، عیش وعشرت اور اقتدار واختیار کے مزے لوٹنے کے بجائے قوم کی خدمت اور احکم الحاکمین کی عبادت کا ذریعہ بنا دیا اور یہ تصور ہی ختم کر دیا کہ سیاست اور مذہب کا آپس میں کوئی تعلق

نہیں۔ بقول شاعر مشرق:

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دین سے سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبر اور بصیرت کا ہی نتیجہ تھا کہ ایک بکھری ہوئی اور منتشر قوم نہ صرف خود متحد و منظّم ہوگئی بلکہ دوسری اقوام کو بھی اتحاد و اتفاق کی لڑی میں پرو دیا۔ اس کامیاب ترین وعظیم الشان انقلاب کے لئے آپ ﷺ نے نہ تو قومی، نسلی اور جغرافیائی تعصّبات سے کوئی فائدہ اٹھایا، نہ دنیوی مفادات کا لالچ دیا، نہ دشمنوں کا ہوّا کھڑا کر کے انہیں ڈرایا اور نہ ہی سبز باغ دکھائے۔ آپ ﷺ نے دیگر انقلابیوں وسیاست دانوں کی طرح اس قسم کے منفی ہتھکنڈے استعمال کرنا تو در کنار، الٹا انہیں فتنہ قرار دیا اور ہر فتنے کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنی قوم کو صرف رب واحد کی بندگی واطاعت، عالمگیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل وانصاف، اعلاء کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے ذریعے بیدار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب سے ایک نئی قوم ہی متعارف نہیں ہوئی بلکہ ایک بہترین امت ظہور پذیر ہوئی۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست کے بنیادی اصول رائج کئے اور ہمیشہ ان ہی اصولوں پر قائم رہتے ہوئے اصولی سیاست کی۔ انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی، مدمقابل دوست ہو یا دشمن، خوشی کا موقع ہو یا غم کا، خوف ودباؤ کا عالم ہو یا بے خوفی کا، دین کی بات ہو یا دنیوی، غرض ہر موقع پر آپ ﷺ اپنے اصولوں پر ڈٹے رہے، تاریخ عالم ایسا مدبر وسیاستدان پیش کرنے سے قاصر ہے جس نے کبھی اپنے کسی اصول کے معاملے میں کمزوری نہ دکھائی ہو لیکن آپ ﷺ نے ایک مکمل نظام قائم کر دیا۔ ایک عالمی انقلاب برپا کر دیا، اس کے باوجود کبھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔

مدبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست اس حوالے سے بھی ایک بہترین نمونہ ہے کہ آپ ﷺ نے سیاست کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا اور سیاست میں مباح بلکہ

مستحسن تصور کی جانے والی بہت سی عمومی برائیاں مثلاً جھوٹ، چالبازی، عہد شکنی، مکروفریب، لوٹ مار اور حقوق غصب کرنا وغیرہ جو عموماً ایک لیڈر کے اوصاف وکمالات شمار کیئے جاتے ہیں، آپ ﷺ نے ان ''خودساختہ سیاسی اوصاف'' سے خود کو کوسوں دور رکھا اور دنیا کو یہ درس دیا کہ سچائی، ایمانداری، ایفائے عہد اور دیگر شخصی اوصاف جس طرح انفرادی زندگی کے لئے لازم ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اجتماعی وسیاسی زندگی کے لئے ضروری ہیں لہٰذا آپ ﷺ نے ایک عام شخص کے مقابلے میں ایک صاحب اقتدار شخص کے جھوٹ، فریب، بددیانتی، ظلم، بدعہدی اور لوٹ کھسوٹ کو زیادہ سنگین جرم قرار دیا بلکہ اس پر ایک اور ذمہ داری بھی عائد کی گئی کہ وہ اپنی قوم کا نگہبان اور امین ہے اور اس سے ہر شخص کی رعیت سے متعلق پوچھا جائے گا۔

افضل البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مظلومیت کا دور بھی گزارا اور سلطنت کا بھی، حلیفوں سے بھی معاہدے کیئے اور حریفوں سے بھی، دشمن سے جنگیں بھی لڑنی پڑیں، قبائل کے وفود سے معاملات بھی کیئے، آس پاس کی حکومتوں سے بھی معاملات طے کیئے لیکن یہ تمام امور سرانجام دینے کے باوجود دوست ودشمن ہر ایک کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کیا، نہ بدعہدی کی، نہ کسی بات سے پھرے، کسی بات کی غلط تاویل بھی نہیں کی، حلیفوں کا ہر حالت میں ساتھ دیا اور دشمنوں کے معاملے میں بھی کبھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اہل سیاست کا طمطراق اور ہٹو بچو کی صدائیں سیاست کا لازمی حصہ تصور کی جاتی ہیں۔ ان کی سیکورٹی پر کروڑوں روپے پھونک دیئے جاتے ہیں، اپنے قصیدے پڑھوانے کیلئے بھاری بھرکم تنخواہوں پر خوشامدی بھرتی کیئے جاتے ہیں، خصوصی سواریوں کا انتظام کیا جاتا ہے، رہائش کے لئے محلات تعمیر کیئے جاتے ہیں، عالی شان لباس تیار کروائے جاتے ہیں اور جب ''بادشاہ سلامت'' کی سواری گزرتی ہے تو سڑکوں کو عوام کے لئے بند کردیا جاتا ہے، مگر سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات مبارکہ ہمیں ان تمام تکلفات

سے پاک نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک عام آدمی یا غلام جیسی زندگی گزارتے تھے، حتیٰ کہ کھانا کھانے کے لئے دوزانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں۔ آپ ﷺ کے لئے نہ تو کوئی خاص سواری تھی، نہ خصوصی باڈی گارڈ، نہ اعلیٰ لباس، نہ محلات اور نہ پرتکلف کھانے اور اس کی یہ وجہ ہر گز نہیں کہ اس دور میں اس وی آئی پی طرز زندگی کا کوئی تصور نہیں تھا، اس زمانے میں بھی قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہوں کے ٹھاٹھ باٹ اور نازنخرے دیکھنے کے قابل تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے انتہائی سادہ طرز زندگی اختیار کر کے ارباب سیاست کے لئے ایک بہترین مثال قائم فرمادی۔

دنیا بھر میں جتنے بھی انقلابات برپا ہوئے، ان میں خون کی ندیاں بہنے لگیں، جان ومال، عزت وناموس کی بربادی پر انسانیت چیخ اٹھی، صرف جنگ عظیم دوئم میں 2 کروڑ سے زائد افراد مارے گئے، جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس عظیم عالمی انقلاب میں صرف 259 مسلمان اور 759 کفار قتل ہوئے، جب کہ نہ تو کسی کی ناموس پر دست درازی کی گئی اور نہ کسی کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا جو کہ درحقیقت سب سے بڑی کامیابی ہے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی تدبر کا ایک اور خاص پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قیادت اور لیڈر شپ کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کے بجائے اپنی حیات مبارکہ میں ہی ایک ایسی جماعت تیار کر لی جو آپ ﷺ کے لائے ہوئے عظیم انقلاب کو اس کی اصل روح کے مطابق آگے بڑھانے اور ترقی وترویج کے پوری طرح اہل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی انقلاب کا سمندر آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ موجودہ مخدوش عالمی حالات کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا بھر کے لیڈر پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے رہنمائی حاصل کریں تا کہ دنیا ایک مرتبہ پھر امن وسکون کا گہوارہ بن سکے۔

مشاورت اور سنت نبوی ﷺ

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

اور آپ ان (صحابہؓ) سے اہم کام میں مشورہ کرلیا کریں سو جب فیصلہ کرلیں تو اللہ پر توکل کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اور جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کو قائم کیا اور ان کے کام باہم مشورے سے ہوتے ہیں اور وہ اس میں سے جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ الشوریٰ 38,42)

ان دونوں آیات میں خالق کائنات نے یہ حکم دیا ہے کہ جب بھی کوئی اہم مرحلہ درپیش ہو تو چاہئے کہ اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرلیا کرو۔ یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ رسول تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کرتے ہیں جب کہ فہم و فراست میں بھی رسول سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود فقط مشورہ کی اہمیت بتانے اور اہل ایمان کو ترغیب دینے کے لئے سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بھی یہ حکم دیا جارہا ہے کہ اہم کاموں میں مشورہ ضرور کیا کریں۔ مشورے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک کی ایک سورت کا نام ہی ''شوریٰ'' یعنی مشورے والی سورت ہے۔

مشورے کی اہمیت کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اپنی انفرادی رائے سے کوئی کامیاب نہیں ہوا اور مشورے کے بعد کوئی ناکام نہیں ہوا۔ (بیہقی)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ کو یہ نصیحت فرمائی:

مشورہ کرلیا کریں کیونکہ مشورہ لینے والے کی (من جانب اللہ) مدد کی جاتی ہے اور جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔ (طبرانی)

اسلام نے مشورے کو اتنی زیادہ اہمیت اس لئے دی ہے کہ کوئی بھی انسان عقل کل نہیں ہوتا اور جو خود کو ہی عقل کل سمجھتا ہے، وہ سب سے بڑا بے وقوف ہے۔ مشورے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ انسان کی عقل بھی ناقص ہے، تجربہ ومشاہدہ بھی محدود ہے اور علم بھی کامل نہیں لہٰذا جب ایک انسان کوئی کام کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرتا ہے تو اس کام کے بہت سے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں گیا ہوتا، بعض ایسی معلومات سامنے آتی ہیں جو اس کے علم میں نہیں ہوتیں، اسی طرح بعض ایسے ممکنہ نتائج کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے جن پر اس کی نظر نہیں ہوتی۔ مشورے کے نتیجے میں جب اس کام کے مختلف منفی پہلو سامنے آتے ہیں تو یا تو وہ شخص ان منفی پہلوؤں کے تدارک کی کوشش کرتا ہے یا پھر اس کام سے ہی باز آجاتا ہے اور دونوں صورتوں میں وہ ایک بڑے نقصان سے بچ جاتا ہے۔ بعض اوقات مشورے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ کام مزید بہتر اور مفید ثابت ہوتا ہے۔

فرض کیجئے کہ آپ کسی پروجیکٹ میں فلیٹ بک کروانا چاہتے ہیں۔ آپ سوچتے ہیں کہ فلیٹ میری پسند کے مطابق ہے، قیمت بھی کم ہے، قسطیں بھی آسان ہیں، محل وقوع بھی بہترین ہے۔ آپ فلیٹ بک کروانے کے لئے بالکل تیار ہو جاتے ہیں، پھر احتیاطاً ایک دو لوگوں سے مشورہ کرتے ہیں تو آپ کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ یہ بلڈر دھوکے باز ہے، اس کے فلاں فلاں پروجیکٹ جنہیں چار سال میں مکمل کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، آج دس سال گزرنے کے باوجود پروجیکٹ نامکمل پڑے ہیں اور بکنگ کروانے والوں کے پیسے پھنسے ہوئے ہیں، بلڈر نہ تو فلیٹ مکمل کرتا ہے اور نہ ہی رقم واپس کرتا ہے تو بتایئے

کہ کیا اس خبر کی تصدیق کے بعد آپ وہاں فلیٹ بک کروائیں گے؟ یعنی مشورے کی برکت سے آپ لاکھوں روپے کے نقصان سے بچ گئے۔

ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم ہر کام سے پہلے مشورہ ضرور کریں لیکن اس حوالے سے چند باتوں کو ضرور پیش نظر رکھیں، مثلاً مشورہ ایسے شخص سے کیا جائے جو آپ کا خیر خواہ اور مخلص ہو کیونکہ ایسا شخص آپ کو وہی مشورہ دے گا جسے اپنے لئے پسند کرے گا۔ دوسرے یہ کہ مشورہ دینے والا عقل مند ہو، بے وقوف شخص آپ کا کتنا ہی خیر خواہ کیوں نہ ہو، وہ آپ کو احمقانہ مشورہ ہی دے گا۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ''نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے''۔

مشورہ ہمیشہ ایسے شخص سے لینا چاہئے جو صالح اور دیندار ہو کیونکہ جو شخص دیندار نہیں وہ اللہ اور رسول کے ساتھ مخلص نہیں، حتیٰ کہ خود اپنے ساتھ مخلص نہیں تو کسی اور کے ساتھ کیا ہوگا؟ بے دین شخص سے مشورہ کرنے میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہے کیونکہ بے دین کا دل بھی کالا، دماغ بھی کالا لہٰذا وہ آپ کو کسی معاملے میں روشنی کیونکر دکھا سکتا ہے؟ بے دین شخص آپ کو جو مشورہ دے گا اس میں دینی تقاضوں کو پیش نظر نہیں رکھے گا لہٰذا ممکن ہے کہ اس کے مشورے سے آپ کو دنیوی فائدہ تو حاصل ہو جائے مگر دین کا نقصان ہو جائے، اس صورت میں تو یہ گھاٹے کا سودا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بے دین شخص آپ کو جان بوجھ کر غلط مشورہ دے اور اس طرح یا تو اپنا مطلب پورا کر لے یا فقط آپ کو پریشان کر کے ہی خوشی محسوس کرے جیسا کہ بعض لوگوں کی فطرت ہوتی ہے کہ کسی کو پریشان دیکھ کر خوش ہوتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

دینداری کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس صالح شخص کو اس کام کا کچھ تجربہ بھی ہے! کیونکہ جسے ایک کام کا تجربہ ہی نہیں وہ معقول مشورہ کیسے دے سکتا ہے؟ اس دیندار شخص کو بھی چاہئے کہ صاف بتا دے کہ مجھے اس کام کا تجربہ نہیں ہے لہٰذا آپ کسی تجربہ کار آدمی سے مشورہ کریں۔

بعض مستشیر یعنی مشورہ لینے والے پہلے حتمی فیصلہ کر لیتے ہیں اور پھر رسمی طور پر مشورہ کرتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ مشیر کے سامنے مکمل حالات کے بجائے یک طرفہ پہلو بیان کرتے ہیں، اگر وہ کام کرنا ہے تو تمام مثبت پہلو اور نہیں کرنا ہے تو صرف منفی پہلو، یہ حماقت ہے۔ اگر کسی عالم، بزرگ وغیرہ سے مشورہ کرتے ہیں تو مشورے کو حکم سمجھتے ہیں جب کہ مشورہ تو مشورہ ہوتا ہے جس پر عمل بھی کیا جا سکتا ہے اور اسے رد بھی کیا جا سکتا ہے، مشورے کے بعد نقصان ہو جائے تو قصوروار مشیر کو ٹھہراتے ہیں گویا کہ خود عقل سے محروم ہیں۔

بعض مشیروں کو بھی مشورے دینے کا شوق ہوتا ہے، خواہ مخواہ ہی بلا طلب مشورے دیتے پھرتے ہیں، جب کہ عقلاء کہتے ہیں کہ جب تک مشورہ طلب نہ کیا جائے اس وقت تک مشورہ نہ دیں کیونکہ ایسے مشورے کی کوئی اہمیت نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات تو شرمندگی بھی اٹھانا پڑتی ہے۔ مشیر کو اس بات پر بھی اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ اس کا مشورہ لازمی قبول کیا جائے اور مشورہ قبول نہ کرنے کی صورت میں ناراض ہونا بھی جہالت ہے' بعض مشیروں کو یہ کہتے بھی سنا ہے کہ ''دیکھا ہمارے مشورے پر عمل نہیں کیا تو پھر نقصان تو ہونا ہی تھا'' بعض مشیر اس بات کا بھی ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں کہ ''ہمارے مشورے پر عمل کیا تو کس قدر فائدہ ہوا' ہماری مانو گے تو مزے میں رہو گے'' یہ بھی کم عقلی کی بات ہے۔ بہرحال مشیر اور مستشیر دونوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کامیابی اور ناکامی اللہ کی جانب سے ہے لہٰذا فائدہ ہونے کی صورت میں اکڑنا اور نقصان ہونے پر دوسروں کو ذمہ دار ٹھہرانا سراسر حماقت ہے اور بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں ایسے احمقوں کی اس قدر بہتات ہے کہ ''ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔''

استخارہ کے
خودساختہ طریقے اور سنت نبوی

ایک بادشاہ نے ایک انتہائی نامی گرامی نجومی کو اپنے دربار میں بلوایا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ' میری کتنی زندگی باقی ہے؟ نجومی نے بادشاہ کا زائچہ بنایا اور کچھ دیر تک حساب کتاب لگانے کے بعد بولا کہ حضور! آپ کی زندگی کا صرف ایک ماہ باقی ہے۔ بادشاہ یہ سن کر انتہائی غمگین ہوگیا' اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کا وزیر انتہائی دانا شخص تھا۔ اس نے جب بادشاہ کی یہ حالت دیکھی تو نجومی سے پوچھا کہ یہ بتاؤ' تمہاری کتنی عمر باقی ہے؟۔

نجومی نے کہا کہ ابھی میری زندگی کے پچاس سال باقی ہیں۔

وزیر نے جلاد کو بلوا کر اس کا سر قلم کروادیا اور بادشاہ سے بولا کہ آپ ایک ایسے جھوٹے شخص کی بات پر غمگین ہو رہے ہیں جواب سے کچھ دیر پہلے کہہ رہا تھا کہ میری ابھی پچاس سال کی زندگی باقی ہے جبکہ اب وہ اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ نجومی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں ہوتا۔

یہ بات انسان کی فطرت میں موجود ہے کہ وہ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات وحادثات سے پیشگی آگاہی کا خواہش مند رہتا ہے' بالخصوص وہ امور جو اس کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً نکاح' سفر' ملازمت' تجارت وغیرہ وغیرہ۔ زمانہ جاہلیت میں اس خواہش کی تکمیل کیلئے اہل عرب نے مختلف طریقے گڑھ رکھے تھے مثلاً:

(1) تیروں کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کیا جاتا۔ جب کوئی آدمی سفر' تجارت یا

نکاح وغیرہ کا ارادہ کرتا تو کعبہ کے ایک کنویں کے پاس جاتا جس میں قریش کے بتوں میں سے بڑا بت ہُبل نصب تھا، لوگ اس کنویں میں ہدایا اور مال وغیرہ ڈالتے تھے' اس کے پاس سات تیر تھے جن پر کچھ لکھا ہوتا تھا، انہیں جو مشکل پیش آتی' اس کا فیصلہ کرنے کے لئے ان تیروں میں سے جو تیر نکل آتا تھا اس کے مطابق عمل کرتے تھے اور اس سے روگردانی نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تفسیر ابن کثیر میں درج ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبے میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تصاویر دیکھیں' ان کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

اللہ انہیں ہلاک کرے، وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے کبھی بھی ان تیروں کے ذریعے تقسیم نہیں کی (ص۔۱۴، جلد۲)

(2) عربوں کا اعتقاد تھا کہ کاہن کے تابع جن ہوتا ہے جو اسے صحیح حقائق سے آگاہ کرتا ہے جو کچھ وہ فرشتوں سے سنتا ہے۔ کاہن علم غیب کے دعویدار ہوتے اور بعض مرتبہ بیان سننے سے پہلے گنگناتے تھے۔

(3) کہانت کی ایک قسم عرافت کہلاتی تھی۔ عراف بالعموم زمانہ ماضی کے واقعات کی خبر دینے، بیماری کی تشخیص اور علاج کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو بھی غیب دانی کا دعویٰ ہوتا تھا، ان کے کچھ اندازے درست بھی ہوتے لیکن اکثر جھوٹ ثابت ہوتے تھے۔

(4) پرندوں کی آوازوں' ان کے ناموں اور ان کے گزرنے سے نیک فال حاصل کرنے کو عیافت کہا جاتا تھا۔

(5) وہ لوگ جب کسی امر کا ارادہ کرتے تو دیکھتے کہ پرندہ دائیں طرف اڑا ہے یا بائیں طرف' اگر پرندہ دائیں طرف اڑتا تو اس سے نیک فال حاصل کرتے کہ یہ کام ہوگا اور اگر بائیں طرف اڑتا تو اس سے بدفالی حاصل کرتے کہ اب یہ کام نہیں ہوسکتا۔

(6) ایک لکیر زمین پر کھینچی جاتی تھی جسے "طرق" کہا جاتا تھا۔ شیخ ابن باز فرماتے

ہیں کہ یہ لکیریں رمل کے خطوط ہیں اور اہل زمان میں ہر دور میں یہ طریقہ مشہور چلا آیا ہے اور بعض نے تو علم رمل پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔لوگ اس کے ذریعے سے بے وقوفوں اور جاہلوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو غیب کی باتوں کا علم ہو جاتا ہے حالانکہ وہ جھوٹے ہیں کیونکہ یہ علم نہیں جہالت ہے۔اس کے ذریعے سے لوگوں کو دھوکہ دے کر باطل طریقے سے ان کے مال لئے جاتے ہیں (فتح المجید شرح کتاب التوحید)۔

(7) کنکریاں پھینک کر فال لی جاتی تھی جسے طرق الحصی کہا جاتا تھا۔شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ عرب عورتیں کنکریاں پھینک کر فال لیا کرتی تھیں۔اگر فال درست آجاتی تو کام کو اختیار کرتیں ورنہ اسے چھوڑ دیتیں (شرح سفر السعادت' لکھنؤ)

(8) ایک طریقہ تنجیم بھی تھا جس میں علم فلکیات کے ذریعے زمین پر رونما ہونے والے حادثات وواقعات کی پیشن گوئی کی جاتی تھی۔

ان کے علاوہ بھی مختلف طریقے تھے جو اس دور میں جہالت اور اوہام و بت پرستی کی وجہ سے رائج تھے جن کے ذریعے مستقبل کا حال معلوم کرنے کرنے کی کوشش کی جاتی تھی لیکن اسلام نے ان تمام امور کو باطل قرار دے دیا اور اہل ایمان کو ان سے دور رہنے کی ہدایت کی۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عیافت' طرق اور طیرہ بت پرستی میں سے ہیں (ابوداؤد۔ ح ۳)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نجوم کے شعبے سے کچھ حاصل کیا تو اس نے گویا جادو کے شعبے سے حاصل کیا' جتنا بھی اور بڑھے (ابوداؤد۔ ج ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

جو شخص کسی نجومی کے پاس آیا اور اس سے کچھ پوچھا اور اس کی تصدیق کی تو اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی (صحیح مسلم)

خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں تک فرمایا کہ:

جوشخص کسی کاہن کے پاس آیا' اس سے پوچھا اور جو کہتا ہے اس کی تصدیق کی تو اس نے جو کلام محمد ﷺ پر اترا ہے اس کا انکار کیا (مجمع الزوائد)۔

رحمت اللعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام جاہلیت کے تمام طریقوں کو باطل قرار دیا کیونکہ اول تو ان طریقوں کی کوئی ٹھوس سند نہیں تھی' دوسرے یہ کہ اس سے بدشگونی اور اللہ تعالیٰ سے بدگمانی جنم لیتی تھی جو بالآخر انسان کو اپنے رب کی رحمت سے مایوس کر دیتی ہے اور مزید یہ کہ اس سے شرک اور خالق کائنات پر افتراء کا در کھلتا تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

اہل جاہلیت کو جب کوئی سفر کی حاجت پیش آتی یا نکاح کی تو وہ تیروں سے کام لیتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کیونکہ یہ بنیادی طور پر نا قابل اعتماد ذریعہ تھا اور محض اتفاق پر اس کا دارومدار تھا اور مزید یہ کہ ان کے ''امرنی ربی'' اور ''نہانی ربی'' کے قول کی وجہ سے بلاشبہ اللہ پر افتراء تھا پس اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض استخارہ کا حکم دیا۔

دراصل ان کے تیروں میں سے ایک تیر پر امرنی ربی یعنی'' مجھے حکم دیا میرے رب نے'' اور دوسرے پر نہانی ربی یعنی'' مجھے منع کیا میرے رب نے'' لکھا ہوتا تھا۔ اگر پہلا والا تیر نکلتا تو وہ لوگ اسے حکم الٰہی سمجھ کر اس کام کو کر لیتے اور دوسرا تیر نکلتا تو ممانعت کا عقیدہ رکھتے ہوئے اس کام سے باز رہتے۔ اس طرح ایک خودساختہ طریقے کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کر کے افتراء سے کام لیتے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مروجہ تمام طریقوں سے بہتر اور مؤثر طریقہ بناتے ہوئے استخارہ کا حکم دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی مشہور روایت ہے کہ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم (صحابہؓ) کو سارے کاموں میں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

امام بدرالدین عینیؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''فی امور کلھا'' کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے بڑے سارے معاملات میں کیونکہ بے شک مومن اپنے سارے معاملات کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دینا پسند کرتا ہے اور اس کی جناب میں اپنی طاقت وقوت سے اظہار بے زاری کرتا ہے (عمدۃ القاری)۔

استخارہ کی اہمیت حضرت جابرؓ کی ایک اور حدیث سے خوب واضح ہو جاتی ہے' فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو استخارہ کی تعلیم ایسے دیتے تھے جیسے ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے (صحیح بخاری)۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

اس میں اس دعا اور اس نماز کی طرف مکمل توجہ کرنے کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو فریضہ اور قرآن کا رنگ دے دیا۔ (فتح الباری)

حافظ عینیؒ فرماتے ہیں:

اس میں استخارہ کے امر کے اہتمام کی طرف دلیل ہے اور اس میں استخارہ کی تاکید سمجھی جاتی ہے کہ وہ پسندیدہ عمل ہے (عمدۃ القاری)۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

کسی آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی بہتری کا سوال نہ کرے (الجامع الاحکام القرآن)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استخارہ کی اہمیت کے حوالے سے یہاں تک فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کرنا انسان کے لئے بدبختی کی بات ہے۔ (الترغیب والترہیب)

آپ ﷺ نے فرمایا:

جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہیں ہوگا اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہیں ہوگا (فتح الباری۔ ج ۱۱)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

جو خالق سے استخارہ کرتا ہے اور مخلوق سے مشورہ کرتا ہے وہ نادم نہیں ہوتا' وہ اپنے امر میں مضبوط ہوتا ہے (الکلم الطیب)۔

انسان خود بھی انتہائی کمزور وناتواں ہے اور اس کا علم بھی ناقص ہے لہٰذا بڑے سے بڑا دانشور اور زیرک انسان بھی قطعی طور پر یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کا اٹھایا ہوا قدم اس کے مستقبل پر کیا اثرات مرتب کرے گا؟ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو بڑے بڑے ذہین وفطین حکمرانوں کا اقتدار کسی معمولی سے اقدام کے نتیجے میں ختم نہ ہوتا' بڑے بڑے سرمایہ دار کسی ایک فیصلے یا معاہدے کے نتیجے میں کنگال نہ ہوتے اور دو ممالک کے مابین معمولی چھیڑ چھاڑ ہلاکت خیز جنگوں کا سبب نہ بنتی۔ درحقیقت انسان کا اپنی عقل' ذہانت' تجربے اور طاقت پر کامل بھروسہ ہی اکثر اسے لے ڈوبتا ہے۔

ان مشکلات اور پریشانیوں سے بچنے کے لئے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ہر جائز کام کے لئے استخارہ کرنے کی ترغیب دی ہے اور استخارہ کا مسنون طریقہ انتہائی سیدھا سادہ اور آسان ہے یعنی دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا مانگی جائے:

دعائے استخارہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ، اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ.

(نوٹ) دعا میں دو جگہ لفظ ''ھــذا الامــر'' لکھا ہے، اس جگہ پر اپنے کام کا

تصور کریں۔

عربی میں دعا مانگتے وقت اس کے معنی بھی ذہن میں رکھیں بالخصوص آخری جملوں کے معنی کہ:

یا اللہ! یہ کام جس کے لئے میں استخارہ کر رہا ہوں' تیرے علم میں میرے دین کے لئے' دنیا کے لئے' حال میں بھی، مستقبل میں بھی اگر نافع ہے تو میرے لئے مقدر فرما' آسان فرما اور اس میں برکت عطا فرما اور اگر یہ کام میری دنیا میں یا میرے دین میں مضر ہے تو اس کام کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر یعنی اگر میں کرنا چاہوں تب بھی نہ ہو' ایسے اسباب پیدا فرما دے کہ یہ کام نہ ہو سکے اور جہاں کہیں بھی خیر ہو میرے لئے مقدر فرما پھر مجھے اس پر رضا عطا فرما۔

ذرا ان الفاظ پر غور فرمایئے کہ اول تو یہ دعا مانگی جا رہی ہے کہ اگرچہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ کام ہو جائے مگر تو علیم وخبیر ہے' میرے مستقبل سے بھی اسی طرح واقف ہے جس طرح حال سے لہٰذا میرے لئے وہ فیصلہ فرما دے جو دینی ودنیوی دونوں لحاظ سے بہتر ہو اور پھر اس فیصلے پر مجھے اطمینان قلب بھی عطا فرما دے تاکہ میں نقصان کے ساتھ ساتھ ذہنی کوفت سے بھی بچ جاؤں۔

میں نے بارہا اہم کاموں سے قبل استخارہ کیا اور الحمدللہ! ہمیشہ میرے رب نے میری دستگیری فرمائی اور جو کام میرے حق میں بہتر تھا اس کے ہونے اور جو بہتر نہ تھا اس کے نہ ہونے کے حوالے سے خود بخود راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ایک کام نہ ہونے پر مجھے افسوس ہوا اور بظاہر نقصان ہوتا نظر آیا مگر وقت نے ثابت کر دیا کہ میرا اندازہ غلط تھا اور جو کچھ ہوا وہی میرے لئے زیادہ بہتر اور مفید تھا۔

لوگوں نے استخارہ کو بھی آج کل ایک کھیل یا کھانے کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ جگہ جگہ استخارہ سینٹر کھل گئے ہیں' باقاعدہ اشتہار بازی کی جاتی ہے کہ "استخارہ' پریشانیوں سے چھٹکارہ"' "استخارہ کروایئے' پریشانیوں سے نجات پایئے" وغیرہ وغیرہ جبکہ حقیقت یہ ہے

کہ استخارہ کروانے کی نہیں خود کرنے کی چیز ہے۔ ہم نے ایک انتہائی آسان عمل کو خود ہی مشکل بناڈالا ہے۔ مشقت بھی اٹھاتے ہیں، پیسے بھی خرچ کرتے ہیں اور سنت کی خلاف ورزی کر کے ثواب اور استخارہ کی برکات سے بھی محروم رہتے ہیں بلکہ الٹا گنہگار ہوتے ہیں یعنی ''خسر الدنیا والآخرۃ''۔

بعض پیشہ ور لوگ عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے کچھ دیر آنکھیں بند کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہاں فلاں کام کرلو یا مت کرو، اسی طرح بعض بہروپیئے کہتے ہیں کہ ''آپ جائیں، کل آیئے گا، میں رات کو استخارہ نکالوں گا'' گویا استخارہ نہ ہوا، کنویں میں پڑی ہوئی کوئی چیز ہوگئی، جسے رات بھر مشقت کر کے نکالا جائے گا۔

ایک نام نہاد مولوی صاحب نے خود ساختہ استخارہ کی خوب تعریف کرتے ہوئے کہا کہ دو رکعت نفل کی نیت باندھیں پھر سورہ فاتحہ پڑھیں جب ''اھدنا الصراط المستقیم'' پر پہنچیں تو اسی کو بار بار پڑھتے رہیں۔ اگر وہ کام آپ کے حق میں مفید ہوگا تو پڑھتے پڑھتے آپ خود بخود دائیں جانب گھوم جائیں گے اور اگر مضر ہوگا تو بائیں جانب گھوم جائیں گے، بس آپ کا استخارہ ہوگیا۔ افسوس، صد افسوس! لوگ کس کس طرح سے نماز اور سنتوں کا مذاق اڑا کر لوگوں کو راہ راست سے بھٹکاتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی استخارہ میں طرح طرح کی پیوند کاریاں کر دی گئیں ہیں مثلاً استخارہ کے بعد کسی سے بات کئے بغیر سونا ضروری ہے، قبلہ رو لیٹا جائے، استخارے کے بعد خواب نظر آئے گا، اگر فلاں رنگ نظر آئے تو بہتر ہے اور فلاں رنگ بہتر نہیں، کوئی بزرگ خواب میں آکر بتائے گا کہ کیا کرنا چاہئے (خواہ شیطان ہی بزرگ کی صورت میں آکر بہکادے) یہ سب خود ساختہ فسانے ہیں جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض لوگ یہ سوچ کر کسی بزرگ سے استخارہ کرواتے ہیں کہ ہم تو گنہگار ہیں، ہم کیا اور ہمارا استخارہ کیا۔ یہ سوچ بھی غلط ہے، اول تو یہ کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کا بھی رب ہے اور ان کی بھی سنتا ہے، دوسرے یہ کہ اگر گناہوں کا اتنا ہی احساس ہے تو گناہ چھوڑ کر سچی

توبہ کیوں نہیں کر لیتے؟ استخارہ کرتے ہوئے اپنے گناہوں سے ڈرتے ہیں مگر قیامت کے روز ان گناہوں کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضری سے نہیں ڈرتے!

شریعت نے نہ تو یہ قید لگائی ہے کہ گناہگار آدمی استخارہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ حکم دیا ہے کہ استخارہ کسی بزرگ سے ہی کروایا جائے' جس کا کام ہے وہی استخارہ کرے۔ ویسے بھی جس اخلاص کے ساتھ آدمی خود استخارہ کرے گا' کوئی دوسرا کیونکر کر سکتا ہے؟ البتہ رشتے کے معاملے میں چونکہ والدین کا بھی تعلق ہوتا ہے لہٰذا وہ بھی استخارہ کر سکتے ہیں۔ الغرض ہر مسلمان کو استخارہ کا مسنون طریقہ سیکھ کر ہر موقع پر عمل پیرا ہونا چاہیئے تاکہ ہمارے کاموں میں برکت اور اللہ کی مدد شامل ہو سکے۔

محسن انسانیت ﷺ

کا ادب' اساس ایمان

ایک روز محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو مؤذن نے صدیق اکبرؓ سے پوچھ کر اقامت کہی اور خود صدیق اکبر امامت کیلئے کھڑے ہو گئے' اس دوران آپ ﷺ بھی تشریف فرما ہو گئے اور صف میں جب نمازیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو دستک دینے لگے' اس غرض سے کہ صدیق اکبرؓ خبردار ہو جائیں۔ جب صدیق اکبرؓ نے دستک کی آواز سنی تو گوشۂ چشم سے دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف فرما ہیں تو پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی ہی جگہ پر قائم رہو لیکن آپؓ پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا! کہ اے ابوبکر! جب میں خود تمہیں حکم کر چکا تھا تو تم کو اپنی جگہ پر کھڑے رہنے سے کون سی چیز مانع ہوئی؟ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ابو قحافہ کا بیٹا اس لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بڑھ کر نماز پڑھائے۔ (صحیح بخاری)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی جگہ پر کھڑے رہنے کا حکم فرما دیا تھا تو پھر وہ کون سی چیز تھی جس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا؟ وہ ہے ادب! صحابہ کرامؓ کے قلوب میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اس قدر ادب تھا کہ وہ لغوی اعتبار سے صحیح بات کی بھی اس بناء پر وضاحت فرما دیا کرتے تھے کہ کہیں یہ شان اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی شمار نہ ہو جیسا کہ حضرت عباسؓ سے

کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں اور میری ولادت پہلے ہوئی تھی۔ (کنزالعمال)۔

ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہ نے حالت کفر میں آپ ﷺ کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا۔ اس پر صدیق اکبرؓ نے فوراً ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسی گستاخی پر اس کی گردن اڑا دیتا۔ اسی وقت آپؓ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

''تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روز آخرت پر کہ وہ ایسوں سے دوستی کریں جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے گو وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبے کے، یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی تائید کی، اپنے فیضان غیبی سے اور ان کو داخل فرمائے گا ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، ہمیشہ وہیں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ خدائی لشکر ہے خبردار ہو جاؤ اللہ کا لشکر ہی فلاح پانے والے ہیں (سورۂ مجادلہ)۔

حضرت عباسؓ کے مکان کی چھت پر ایک پرنالہ تھا۔ ایک روز حضرت عمرؓ نئے کپڑے پہنے ہوئے مسجد کو جا رہے تھے، اس پرنالہ کے قریب پہنچے تو اتفاق سے اس دن حضرت عباسؓ کے گھر دو مرغ ذبح کئے جا رہے تھے۔ یکا یک ان کا خون اس پرنالے سے ٹپکا اور اس کے چند قطرے عمرؓ کے کپڑوں پر لگ گئے۔ آپؓ نے اس پرنالے کو اکھاڑ ڈالنے کا حکم صادر فرمایا۔ لوگوں نے فوراً اس پرنالے کو اکھاڑ دیا اور آپؓ گھر واپس آ کر دوسرے کپڑے پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ ادائے نماز کے بعد عباسؓ آپؓ کے پاس آ کر کہنے لگے: یا امیر المؤمنین! اللہ کی قسم اس پرنالے کو جسے آپ نے اکھاڑ ڈالا ہے، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس جگہ لگایا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر نہایت مضطرب و پریشان ہوئے۔

تھوڑی دیر کے بعد آپؓ نے عباسؓ سے فرمایا کہ اے عباس! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اپنے پاؤں میرے کندھے پر رکھ کر اس پرنالے کو جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لگایا تھا' اسی جگہ پر لگا دو چنانچہ عباسؓ نے آپؓ کی درخواست پر اسے اپنی جگہ پر لگا دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو قریش کی طرف جنگ حدیبیہ میں صلح کیلئے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمانؓ کو طواف کرنے کی اجازت دی لیکن آپؓ نے اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و تعظیم مدنظر رکھتے ہوئے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں طواف نہ کروں گا جب تک میرے مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں گے۔

حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے جب وہ صلح نامہ لکھا جو آپ ﷺ اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا جس میں یہ عبارت تھی۔ ھٰذا ما کاتب علیه محمد رسول الله.

تو مشرکین نے کہا کہ لفظ رسول اللہ نہ لکھو کیونکہ اگر رسالت ہمیں تسلیم ہوتی تو پھر لڑائی کس بات کی؟ اس پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ انہوں نے کہا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس لفظ کو مٹا سکوں لہٰذا آپ ﷺ نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا۔

حضرت مصعب بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادقؒ کو دیکھا کہ آپ نہایت ہی ہنس مکھ تھے مگر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ان کے روبرو کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور میں نے انہیں کبھی بلا وضو حدیث بیان کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھا' آپ حدیث شریف بیان فرما رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے 16 بار کاٹا اور آپ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا مگر آپ نے حدیث بیان کرنا نہ چھوڑا۔ حدیث بیان کر چکے تو میرے پوچھنے پر بتایا کہ آج میرے حدیث بیان کرنے کے دوران بچھو نے 16 بار کاٹا

مگر میں نے حدیث کی عظمت وجلال کے باعث صبر کیا۔

امام بخاریؒ صحیح بخاری جمع کرنے کے وقت ہر حدیث لکھنے کے لئے تازہ غسل کیا کرتے اور دوگانہ نماز پڑھتے تھے۔

غازی سلطان محمود غزنویؒ کے غلام ایاز کا بیٹا محمد' بادشاہ کا ملازم تھا' ایک مرتبہ بادشاہ نے ایاز کی موجودگی میں اسے یوں بلایا: اے ایاز کے بیٹے! وضو کا پانی لاؤ۔ جب سلطان محمودؒ وضو سے فارغ ہوئے تو ایاز کو دیکھا کہ وہ مغموم و پریشان ہے۔ اس سے رنج وغم کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ عالی جاہ! میرے مغموم ہونے کا سبب یہ ہے کہ چونکہ آپ نے میرے بیٹے کو نام لے کر نہیں بلایا لہٰذا میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اس سے کوئی بے ادبی وگستاخی سرزد ہوئی ہے کہ جس کے باعث آپ اس سے ناراض ہیں۔ بادشاہ نے مسکرا کر کہا: اے ایاز! دل بڑا رکھو' تمہارے صاحبزادے سے کوئی گستاخی نہیں ہوئی اور نہ ہی میں ناراض ہوں۔ اس وقت چونکہ میں بے وضو تھا اور تمہارا بیٹا رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نام ہے لہٰذا مجھے شرم آئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک میری زبان سے بے وضو ہونے کی حالت میں نکلے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب سے متعلق یہ چند واقعات ہیں۔ اس طرح کے واقعات سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کا ادب ہمارے ایمان کی بنیاد ہے اور ذرا سی بے ادبی ہمیں ایمان کی دولت سے محروم کر کے دنیا وآخرت میں رسوا کر سکتی ہے' لہٰذا اس حوالے سے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت اور ادب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کامیابی کا راستہ
امر بالمعروف و نہی عن المنکر

حضرت جنید بغدادیؒ ایک دن مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان سے کہا:
حضرت! آپ کا وعظ صرف شہر میں کام کرتا ہے یا اس کے اثرات جنگل میں بھی ہوتے ہیں؟
حضرت جنید بغدادیؒ نے اس سے بات کی وضاحت چاہی تو وہ بولا:
چند آدمی جنگل میں فلاں مقام پر موجود ہیں، انہوں نے ناچ گانے کی محفل سجا رکھی ہے اور شراب پی کر مست ہو رہے ہیں۔
حضرت جنیدؒ یہ سن کر جنگل کی طرف چل دیئے، جب وہ مطلوبہ مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ کچھ لوگ شراب کے نشے میں مست تھے، ناچ گانا ہو رہا تھا۔ وہ لوگ آپ کو دیکھ کر بھاگنے لگے تو آپؒ نے فرمایا:
بھاگو مت! میں بھی تمہاری طرح پینے والا ہوں، میرے لئے بھی شراب لاؤ، شہر میں تو میں پی نہیں سکتا، اس لئے سب سے چھپ کر یہاں آیا ہوں۔
ان کی بات سن کر وہ لوگ رک گئے، پھر ان میں سے ایک کہنے لگا:
افسوس! شراب تو ختم ہوگئی، آپ فرمائیں تو شہر سے منگوادی جائے؟۔
حضرت جنید بغدادیؒ مسکرائے اور بولے:
کیا ایسی کوئی صورت نہیں کہ شراب خود بخود یہاں آجائے؟
صاحب! ہم میں تو ایسا کمال نہیں ہے کہ شراب خود بخود حاضر ہوجائے۔ ایک نے کہا۔

آپؒ نے کہا:

کیا میں تمہیں وہ بات سکھادوں کہ شراب خود بخود آ جایا کرے اور تم اس کا مزہ لو؟

یہ سن کر سب حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ آخر ایک نے کہا:

ضرور سکھادیں، یہ کمال تو ضرور بتادیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ بولے:

ٹھیک ہے، تم لوگ نہا دھوکر، پاک صاف کپڑے پہن کر میرے پاس آؤ، میں تمہیں وہ کمال سکھادوں گا۔

وہ لوگ غسل کر کے، پاک صاف کپڑے پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے کہا:

دو رکعت نماز پڑھو۔

جب وہ نماز میں مشغول ہو گئے تو آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے:

اے اللہ! میرا تو اتنا ہی کام تھا، میں نے انہیں آپ کے سامنے کھڑا کر دیا ہے، اب آپ انہیں ہدایت دے دیں یا گمراہ ہی رکھیں۔

حضرت جنیدؒ کی دعا قبول ہوئی اور ان سب کی زندگی بدل گئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دے دی۔ (مخزن اخلاق)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اے امت محمدیہ) تم افضل امت ہو تم کو لوگوں کے نفع کے لئے بھیجا گیا ہے، تم اچھی باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہو اور بُری باتوں سے ان کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران۔ ع ۱۲)

اور چاہئے کہ تم میں ایسی جماعت ہو جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے اور بُری باتوں سے منع کرے اور صرف وہی لوگ فلاح والے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں۔ (آل عمران۔ ع ۱۱)

اسلام سراسر سلامتی اور فلاح انسانیت کا دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی غیر مسلموں کے حوالے سے اس فکر میں مبتلا ہو جاتے تھے کہ کس طرح انہیں جہنم کے عذاب اور دائمی خسارے سے بچایا جائے؟ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک ہر نبی کی یہی فکر، یہی کوشش اور یہی طریق رہا ہے، ہر نبی کی تعلیم یہی رہی ہے کہ ایک انسان کو جہنم کے گڑھے سے بچا لینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اللہ کی قسم! اس کُرّہ ارض کی سات ارب آبادی میں سے ایک بڑا طبقہ انسانوں کا نہ صرف جہنم کی طرف گامزن ہے بلکہ جہنم میں جانے کے لئے دن رات محنت کر رہا ہے، وہ عبادت بھی کر رہا ہے، ریاضت بھی کر رہا ہے، نفس کشی بھی کر رہا ہے اور اپنے مذہب کے لئے جان، مال اور وقت کی قربانی بھی دے رہا ہے، وہ ریل کی پٹڑی کو صراط مستقیم سمجھ کر زندگی کی گاڑی دوڑائے چلا جا رہا ہے مگر بدقسمتی سے اسے یہ نہیں معلوم کہ وہ الٹی سمت میں سفر کر کے منزل سے قریب ہونے کے بجائے مزید دور ہوتا چلا جا رہا ہے، ہاں مگر کچھ لوگ ہیں جن کا سفر جہنم کی مخالف سمت میں کامیابی کے ساتھ جاری ہے اور یہی لوگ ہیں جو دائمی خسارے سے بچنے والے ہیں جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا:

قسم ہے زمانے کی انسان بڑے خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔ (سورۃ العصر)۔

ہماری کامیابی کا راستہ وہی ہے جو قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے، یعنی خود بھی محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کرنا اور دوسروں کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف متوجہ کرتے رہنا۔ آج ہم من حیث القوم خودغرضی کی اس شاہراہ پر گامزن ہیں جہاں ہر شخص کی سوچ یہ بن گئی ہے کہ کوئی اچھا کرے یا بُرا کرے، جنت میں جائے یا جہنم میں جائے، نیکی کا کام کرے یا گناہ کا، ہمیں

کیا؟ ہمیں اپنی قبر میں جانا ہے اور دوسروں کو اپنی قبر میں، یہ اسلامی سوچ ہرگز نہیں ہے۔ امت مسلمہ تو جسد واحد کی مانند ہے، جس طرح ایک عضو کی تکلیف پر جسم تڑپ اٹھتا ہے، اسی طرح ایک انسان کے جہنم کی جانب سفر سے پوری امت تڑپ اٹھتی ہے، کیا ہم ان کوؤں سے بھی گئے گزرے ہیں جو اپنے ساتھی کو تکلیف میں دیکھ کر پوری برادری کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک اس کی تکلیف دور نہیں ہو جاتی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور اس کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ہم پر پے در پے آنے والے مصائب، حوادث، آفات، پریشانیوں اور ذلت وخواری کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ ہم نے اپنی ڈیوٹی، اپنا کام چھوڑ دیا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ آپ ﷺ نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد تشریف لے گئے۔ میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تا کہ کوئی ارشاد ہو تو اس کو سنوں۔ آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد وثناء کے بعد فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو، مبادا وہ وقت آ جائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو میں تمہاری مدد نہ کروں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اتر گئے۔ (ترغیب)

ذرا غور کیجئے! کیا ہم اسی کیفیت سے دوچار نہیں ہیں؟ کیا احادیث مبارکہ میں کی جانے والی پیشن گوئیوں کو اپنی آنکھوں سے حقیقت میں ڈھلتا دیکھ کر بھی ہم اپنی آنکھیں بند رکھنے میں ہی عافیت سمجھتے رہیں گے؟ کیا ہم سے بڑا بے وقوف بھی کوئی ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام میں لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضور ﷺ کی امتیازی شان

راستہ صرف ایک ہے، راستہ صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ تمام انبیاء کرام کا راستہ ہے، تخلیق کائنات سے قبل اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء عظام سے یہ وعدہ لیا تھا کہ اگر بالفرض تمہارے دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو تمہیں ان پر ایمان لانا ہے اور ان کی مدد کرنی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبیّین لما اٰتیتکم من کتاب وّحکمۃ ثمّ جاء کم رسول مّصدق لّما معکم لتؤمننّ بہٖ ولتنصرنّہ. (الآیۃ)

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے عہد لیا کہ جس وقت میں تمہیں کتاب اور حکمت دے دوں پھر تمہارے پاس رسول آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

اس رسول کی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ تمہاری کتابوں کی، تمہاری شریعتوں کی تصدیق کرے گا۔ دیکھو انسان تصدیق اس چیز کی کرتا ہے جس کا علم ہو تو اس سے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ تمام شریعتوں کا علم دیا گیا تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصدیق کرنا کیسے درست ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتابوں کو اور ان کے احکامات شرعیہ کو جانتے تھے، اس وجہ سے ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام کتابوں اور شریعتوں کو جامع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہر نبی، ہر رسول کو کوئی ایک خاص امتیازی سنت عطا فرمائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ان

امتیازی سنتوں کو جمع کر دیا گیا۔ تو آپ کا دین ایک جامع دین بن گیا، جو گزشتہ تمام انبیاء کے علم وعمل کو جامع ہے لہٰذا اگر ہمیں دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں کامیابی چاہیے تو ہمیں صرف اور صرف ایک ذات کی نقالی کرنی چاہیے جس کا نام "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے، جسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی رضا کا نمونہ بنا کر بھیجا، اپنی خوشنودی کا نمونہ بنا کر بھیجا، اس لئے تمام کمالات جو دیگر انبیاء کرام میں موجود تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کر دیئے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک درمیانہ تھا، نہ زیادہ لمبا تھا نہ چھوٹا بلکہ برابر تھا۔ درمیانے قد والا آدمی جب برابر قد والوں میں بیٹھتا ہے تو دیکھنے میں برابر نظر آتا ہے، دیکھنے میں جدا نظر نہیں آتا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امتیازی شان بخشی تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بیٹھتے تو دیکھنے والے کو آپ سب سے اونچے نظر آتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیازی شان بخشی تھی، پھر درمیانے قد والا جب کئی آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے تو سب کے سب برابر نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امتیازی معجزہ دیا تھا، جب آنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود انور بالکل نمایاں اور ممتاز نظر آتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا بھی معجزہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑا ہونا بھی معجزہ تھا۔ معجزہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائے تو اس کے مخالفین کے لئے اس کا مثل لانا ناممکن ہو، وہ اس کا مثل لانے سے عاجز آ جائیں۔

اسی طرح آپ کی چال درمیانی تھی، آپ راستے میں نہ زیادہ دوڑتے نہ بہت آہستہ چلتے اور راستے میں جب چلتے تو گردن مبارک نہ زیادہ نیچی رکھتے نہ زیادہ اونچی رکھتے، درمیانے انداز سے چلتے تھے، درمیانی رفتار سے چلنے والا جب چلتا ہے تو وہ کسی سے آگے نہیں ہو سکتا لیکن اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معجزانہ چال دی تھی

کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو سب سے آگے بڑھ جاتے، حتیٰ کہ ساتھ چلنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لئے تیز چلنا پڑتا بلکہ بسا اوقات تو دوڑنا پڑتا۔
اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت بھی معجزہ تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھتے تو فرماتے **استو والصفوف** تم صفیں ضرور درست کرلو اگر تمہاری صفیں ٹیڑھی ہوں گی تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں منافقت اور مخالفت ڈال دیں گے۔ تم اندر کی صفیں درست کرو تا کہ تمہاری باہر کی صفیں درست ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کی درستگی کا بہت اہتمام کرتے تھے اور اس وقت تک تکبیر نہیں کہتے تھے جب تک صفیں برابر نہ ہو جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے مصلے پر کھڑے ہو کر تم لوگ اپنی صفیں درست رکھو، میں نماز میں جیسے آگے دیکھتا ہوں ایسے ہی پیچھے دیکھتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت بھی معجزہ تھی۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بولنا بھی معجزہ تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں تشریف لے گئے تو منیٰ میں سوا لاکھ صحابہ کرام کا مجمع تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے خطبہ دیا۔ سوا لاکھ لوگوں کے سامنے خطبہ ہوا، لاؤڈ اسپیکر کا انتظام نہ تھا، ہم لوگ تو بغیر لاؤڈ اسپیکر کے سانس بھی نہیں لے سکتے، خواہ چند افراد ہی کیوں نہ ہوں لیکن لاؤڈ اسپیکر ضرور چاہئے۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں خطبہ دے رہے تھے تو ہم دور اپنے خیموں میں بیٹھے تھے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ایسے سن رہے تھے جیسے قریب کے لوگ سن رہے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا، آپ کا اٹھنا، آپ کا چلنا، آپ کا دیکھنا، آپ کا بولنا سب کچھ معجزہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس خود بڑا معجزہ تھی۔

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عجیب بات کہی: فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں بکریاں چرا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر جنگل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

آوازسنی اور میرے قدموں میں ایک ذرا طاقت آگے بڑھنے کی نہ رہی اور میں وہیں بیٹھ گیا۔فرماتے ہیں: اگر میں ایک قدم آگے بڑھاتا ہوں تو جہنمی ہو جاؤں گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ہو جائے گی۔ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ جہاں پر تھے وہیں بیٹھ گئے۔ صحابہ کیسے سرخرو اور کامیاب نہ ہوتے، دنیا اس قوم کی تابعدار کیسے نہ ہوتی، دنیا ان کے سامنے مسخر کیسے نہ ہوتی؟ میں ہمیشہ یہ عرض کرتا ہوں کہ سب سے بڑا وظیفہ تسخیر عالم کا، دنیا کو تابعدار کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے انتہائی شفیق و مہربان تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں بچے کھیل رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے تھے، اتنے میں ایک شخص اپنے بچے کو بلانے کے لئے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذرا ٹھہر جاؤ، ابھی اپنے بچے کو نہ بلاؤ، وہ شخص کھڑا رہا، جب بچے کھیل سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: اب تم اپنے بچے کو لے جا سکتے ہو۔اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلے آپ نے مجھے کس وجہ سے روک رکھا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے بچے کے ساتھ ایک یتیم لڑکا کھیل رہا تھا، اگر تو اس کے سامنے اپنے بچے کو بلاتا، اسے پیار کرتا تو یتیم بچے کو اپنا والد یاد آتا، اس کا دل دکھتا۔کیا یہ انسانیت پر رحم نہیں ہے؟ کیا یہ انسانیت پر شفقت نہیں ہے، یہ انسانیت پر مہربانی نہیں تو کیا ہے؟ یہ انسانیت پر غمخواری نہیں تو اور کیا ہے؟

آج ہم چھوٹے بچوں کا سہارا چھین لیتے ہیں، کتنے بچے بے سہارا بنا دیئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان میں انسانیت پر کرم و مہربانی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ بیوہ عورت کے سامنے کوئی اپنی بیوی سے باتیں نہ کرے۔ مبادا اس کا دل نہ ٹوٹ جائے، اللہ تعالیٰ کو رحم پسند ہے۔ زمین و آسمان کی پیدائش سے قبل صرف عرش تھا، نیچے سب پانی تھا، اللہ تعالیٰ نے عرش پر زمین و آسمان سے بھی بڑا ایک سائن بورڈ لگا دیا جس پر تحریر تھا: "ان رحمتی سبقت غضبی" بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی۔

بنی اسرائیل کا دولت مند شخص قارون جس نے ایک عورت کو پیسے دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جھوٹا الزام لگایا، اس عورت نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کیا، تب موسیٰ علیہ السلام کی بددعا پر قارون زمین میں دھنسنے لگا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی بہت منت سماجت کی مگر موسیٰ علیہ السلام نے معاف نہ کیا اور بالآخر وہ زمین میں دھنس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ! یہ قارون تجھے ہی بلاتا رہا، اگر یہ مجھے ایک دفعہ پکار لیتا تو میں اسے معاف کر دیتا۔ اللہ کو عفو و درگزر کرنا بہت پسند ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے "تفسیر کبیر" میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں دس ہزار علوم ہیں، پھر ان کی تشریحات کے ضمن میں انہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک مرتبہ عرض کیا: یا اللہ آپ نے میرا نام پانچ بڑے اور اولوالعزم پیغمبروں میں کیسے لکھا، میرا کونسا عمل آپ کو پسند آیا جس کی وجہ سے آپ نے مجھے یہ مرتبہ و مقام دیا۔ رب العالمین نے فرمایا: اے موسیٰ! ایک مرتبہ تو طور کے دامن میں بکریاں چرا رہا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر پیغمبر نے بکریاں چرائی ہیں۔ عرض کیا گیا: آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا: جی ہاں۔ یہ بکریاں چرانا بہت سخت کام ہے، انہیں نکالنا، پھر انہیں اکٹھا رکھنا، شام کو انہیں واپس لانا، بھیڑیوں سے ان کی حفاظت کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک چرواہے کی بکری بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ چرواہے نے اس کا پیچھا کیا اور بکری اس سے چھڑا لی، بھیڑیے نے چرواہے سے کہا: آج تو تم اس بکری کو مجھ سے بچا رہے ہو

لیکن کل جب بھیڑیوں کی حکومت ہوگی تو اسے کون ان سے چھڑائے گا۔ بعض لوگوں نے ازراہِ تعجب کہا: کیا بھیڑیا بھی بولتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا بھی اس پر ایمان ہے اور ابوبکر وعمر کا بھی اس پر ایمان ہے۔ کیا آج ہم بھیڑیوں کی حکومت میں نہیں جی رہے ہیں، ہمیں کسی شخص کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں، ہمیں اگر اختلاف ہے تو بے دینی سے ہے، ہمیں اگر اختلاف ہے تو تشدد، ناانصافی اور بے رحمی سے ہے۔)

تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ! میں نے آپ کا نام اولوالعزم پیغمبروں میں اس لئے داخل کیا کہ ایک مرتبہ تو کوہِ طور کے دامن میں بکریاں چرا رہا تھا، تب ایک بکری ریوڑ سے نکل کر بھاگ گئی، تو بھی اس کے پیچھے بھاگا، یہاں تک کہ تو خوب تھک گیا اور تو نے دل میں یہ ارادہ کیا کہ اگر یہ بکری میرے ہاتھ آئی تو میں اسے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دوں گا لیکن جب وہ بکری تیرے ہاتھ آئی تو تو نے اس کا ماتھا چوما اور اس سے کہا: ارے نادان تو خود بھی کتنی تھک گئی اور مجھے بھی تھکا دیا۔ تو نے بکری پر رحم کیا، تو نے بکری پر شفقت کی تو میرا دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور میں نے آپ کو اولوالعزم پیغمبر بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ کو رحمت پسند ہے، رحم کرنے کی صفت اپناؤ، اللہ تعالیٰ کو ظلم، تشدد، انتقام اور بدخوئی پسند نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف پڑھی۔ صلوٰۃ کسوف اس نماز کو کہتے ہیں جو سورج گرہن کے وقت پڑھی جاتی ہے اور اس وقت تک جاری رکھی جاتی ہے، جب تک سورج بالکل صاف نہ ہو جائے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں ایک رکوع کیا، بعض میں دو، بعض میں تین، بعض میں چار اور بعض میں پانچ رکوع کرنے کا ذکر بھی آتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک رکوع والی روایت کو ترجیح دی ہے اور دیگر روایتوں کے بارے میں فرمایا کہ اصلاً اس نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تجلیات کا ظہور

ہو رہا تھا، جسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر کہہ دیتے، تو دور کی صفوں والے یہ سمجھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کرلیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز میں آگے بڑھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم الٹے قدموں پیچھے کی طرف لوٹے، نماز کے بعد صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نماز میں آگے بڑھے تھے، پھر پیچھے ہٹے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں نے جنت کو اپنے سامنے دیکھا تب میں آگے بڑھا، اس میں انگور کے خوشے تھے، اگر اس میں سے ایک خوشہ بھی میں توڑ لیتا تو جب تک دنیا باقی ہے تم اس میں سے کھاتے۔ اس لئے کہ جنت کے میوے کو فنا نہیں ہے، پھر میرے سامنے جہنم آ گئی تو میں پیچھے لوٹا، میں نے دیکھا کہ وہ عورت جس نے ایک بلی باندھ رکھی تھی نہ اسے آزاد کرتی کہ وہ اپنے لئے کھانے کا انتظام کرے اور نہ اسے کھانا پانی دیتی حتیٰ کہ وہ بھوک سے نڈھال ہو کر مر گئی، اس بلی کو لوہے کے ناخن دیئے گئے تھے اور وہ اس بے رحم عورت کا منہ نوچ رہی تھی۔ تمام انسانوں پر بلکہ تمام حیوانات پر رحم اور شفقت کرنی چاہئے۔

ایک عالم نے لکھا ہے کہ میں نے ایک بزرگ کے دسترخوان پر کھانا کھایا، وہ بزرگ کسی کام کے سلسلے میں گھر کے اندر گئے، میں نے دسترخوان اٹھا کر جھاڑ دیا، جب وہ بزرگ واپس آئے تو دسترخوان کو صاف دیکھ کر سخت ناراض ہو گئے اور کہنے لگے: اللہ کے بندے آپ نے میرے دسترخوان کو خراب کردیا۔ میں نے عرض کیا: حضرت وہ کیسے؟ تو وہ فرمانے لگے: ہمارے دسترخوان میں سب کا حصہ ہے، جب ہم کھانا کھالیتے ہیں تو بڑی ہڈیاں کتے کیلئے ڈالتے ہیں اور چھوٹی ہڈیاں بلی کو ڈالتے ہیں اور روٹی کے ٹکڑے، ذرات ہم چونٹیوں کے لئے ڈال دیتے ہیں۔ آپ بھی اپنے دسترخوان میں سب کا حصہ رکھا کریں، ٹھیک ہے، آپ بال بچوں کی خدمت کرتے ہیں، یہ بھی ثواب اور اجر کی بات ہے، بال بچوں کی خدمت کرنا انہیں پالنا بڑی بات ہے، آپ محنت مزدوری کرتے ہیں، سفر کی محنت مشقت برداشت کرتے ہیں، تکالیف برداشت کرتے

ہیں یہ بڑی بات ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں چھالے دیکھے تو پوچھا یہ کیسے ہوئے؟ اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں زمین کھودتا ہوں جس کی وجہ سے میرے ہاتھ میں یہ چھالے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محنت کش کے ہاتھوں کو چوم لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فارغ آدمی ناپسند تھا، جو نہ دنیا کے کام میں ہو نہ دین کے کام میں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن اپنے دورِ خلافت میں مسجد تشریف لائے، وہاں پر کچھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا: آپ لوگ مسجد میں کیسے بیٹھے ہیں، ابھی تو نماز کا وقت نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے یہاں پر بیٹھے ہیں۔ دوسرے دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں پھر مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو پھر پوچھا: آج کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کی یاد کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا کوڑا اٹھایا اور ایک تاریخی جملہ کہا:

ان السّماء لاتمطر ذهبا و لا فضة

آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا، جاؤ جا کر کچھ کام کاج بھی کرو۔ آئندہ اگر میں نے تمہیں یہاں اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا تو تمہیں اس کوڑے سے ماروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

الید العلیا خیر من الید السفلیٰ

اوپر والا ہاتھ یعنی دینے والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی مانگنے والے ہاتھ سے۔

ابوداؤد میں حدیث ہے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ ایک ٹاٹ ہے جسے آدھا ہم بچھاتے ہیں اور آدھا اوڑھتے ہیں اور ایک پیالہ

ہے جس میں کھاتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: مَنْ یَّشتری؟ کون خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا: أنا أشتري بدرهم. میں ایک درہم کے بدلے خریدتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: هل من يزيد؟ کوئی ہے جو اس سے زیادہ پر خریدے؟ ایک شخص نے عرض کیا: میں اسے دو درہم پر خریدتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دو درہم لے کر وہ چیزیں اسے دیں اور اس سوال کرنے والے سے کہا، اس ایک درہم کا راشن لے کر گھر میں دے دو اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس لے آؤ۔اس سائل نے ایک درہم کا راشن لیا اور گھر میں دے دیا اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلہاڑے میں اپنے دست مبارک سے دستہ لگایا اور کلہاڑی اسے دیتے ہوئے فرمایا: جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچو۔دس دن تک میں تمہاری شکل نہ دیکھوں۔دس دن کے بعد میرے پاس آنا۔وہ شخص دس دن تک مزدوری کرتا رہا اور کئی درہم جمع کر لیے، حالت بھی اس کی آسودہ ہوگئی، پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حالت اس سے کتنی بہتر ہے؟ سوال کرنے والے کا سوال تو قیامت کے دن اس کے چہرے پر بدنما داغ ہوگا۔

حیاۃ الحیوان میں علامہ دمیری رحمہ اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص جنگل میں گیا تو وہاں دیکھا کہ ایک کوا ہے جس کے پر ٹوٹے ہوئے ہیں، چلنے سے معذور ہے۔ وہ آدمی سوچنے لگا: اس کوے کے لئے کھانے پینے کا انتظام کیسے ہوگا، یہ تو کچھ دنوں میں بھوک پیاس سے مرجائے گا۔اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک شاہین آیا، اس کے پنجوں میں گوشت تھا، اس نے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور کوے کو کھلاتا رہا حتیٰ کہ کوا سیر ہوگیا۔اس کے بعد چونچ میں پانی بھر کر لایا اور کوے کو پلا دیا۔وہ آدمی سوچنے لگا جب اللہ تعالیٰ کوے کو اس حال میں رزق دے رہا ہے تو میں بھی کسی خانقاہ یا مسجد میں

بیٹھ جاؤں گا جہاں اللہ تعالیٰ مجھے میرا رزق پہنچائے گا۔غیب سے آواز آئی: کوے کیوں بنتے ہو،شاہین کیوں نہیں بنتے؟

حاتم طائی کافر تھا لیکن مہمان نواز تھا،اس وجہ سے اسلامی تاریخ میں اس کا نام زندہ ہے۔انسان جس راستے کو اپنالیتا ہے اللہ اس پر چلا دیتا ہے،اس کے لئے وہ راستہ آسان کردیتا ہے۔

كُلًّا نُمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا.

جس راستے پر چلو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا لہٰذا بزدل نہ بنو،کوے نہ بنو۔

مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ ایک بات فرماتے تھے،وہ مجھے بہت پسند ہے۔کہتے تھے کہ ایک آدمی کی کوٹھی تھی جس کا نام چیل کوٹھی تھا۔مولانا فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اس شخص سے کہا کہ آپ عجیب آدمی ہو،آپ نے اپنی کوٹھی کا نام چیل کے نام پر رکھا اور اسی نام سے یہ علاقہ مشہور ہوگیا۔بس والے بھی چیل کوٹھی کی آواز لگاتے ہیں،اگر آپ کو اس کوٹھی کا نام رکھنا تھا تو شاہین کے نام پر رکھتے۔اس آدمی نے کہا: مولانا یہ کوٹھی میرے دوست نے بنائی ہے،اس نے اس پر شاہین کا مجسمہ نصب کیا ہے،میری قوم کے لوگ عجیب ہیں،انہوں نے شاہین کو چیل بنادیا۔یہ چیل اور شاہین میں فرق نہیں جانتے۔یہ میری قوم کا قصور ہے،یہ چیل اور شاہین کو ایک سمجھتے ہیں۔

واقعی ہماری قوم ایسی ہی ہے جو بھی آیا جس طرف سے آیا اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں،نہ یہ اس انسان کے ماضی کو دیکھتے ہیں نہ اس کے کاموں کو۔دنیا کے کاموں میں ہماری قوم کے لوگ بہت ہوشیار ہیں،گاڑی،مکان،کپڑا وغیرہ خوب چھان پھٹک کرلیں گے لیکن انسان کو نہیں پہچانتے،ہم تو انسان کو کپڑوں سے پہچاننے لگے ہیں،کیا کپڑوں سے کوئی بزرگ بنتا ہے؟ لومڑی دھوبی کے رنگ میں گرگئی تو کہنے لگی میں ریچھ بن گئی ہوں۔ہم نے بزرگی کا معیار خاص کپڑے،خاص نشانی بنالیا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی عقیدت کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے اظہار کے لئے ایک دن کو مقرر کرلیا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعشق کے نام پر جو کام آج ہورہا ہے مجھے بتاؤ یہ کس نے کیا؟ کیا صحابہ کرام، اولیاء عظام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین نے یہ کام کیا ہے؟ جس چیز کی اصل نہ ہو وہ بے بنیاد کام ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت کا معیار شریعت، دین اسلام اور سنتوں پر عمل کرنے کو مقرر فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من أحب سنّتی فقد أحبّنی
و من أحبّنی فقد معی فی الجنة.

رحمۃ للعالمین ﷺ

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْن

یعنی ہم نے آپ کو تمام عالموں کیلئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس آیت کریمہ کی ایک تشریح تو یہ ہے کہ آپ سے قبل جو انبیاء علیہ السلام مبعوث ہوئے ان کی تبلیغ کا رُخ ایک مخصوص علاقہ، ایک مخصوص قوم اور ایک مخصوص وقت کیلئے تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نبی آخر الزماں ہیں اس لئے آپ ﷺ کی تعلیمات پوری نوع انسانی کیلئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے تمام دنیائے انسانیت کی فلاح کا ایک جامع منصوبہ پیش کیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل تک نوع انسانی اپنے شعور کی بلوغیت تک نہیں پہنچی تھی۔ آپ ﷺ نے دنیائے انسانیت کو آزادیٔ ضمیر، انسانی حقوق اور انسانی تکریم کے مفہوم سے روشناس کرایا اور غلاموں کو انسانی غلامی سے نجات دلائی۔ طاغوتی طاقتوں کے تحت تڑپتی ہوئی، بلکتی ہوئی دکھی انسانیت کو جان و مال اور آبرو کا تحفظ فراہم کیا، ذاتی گروہی، نسلی یا علاقائی مفاد کے بجائے تمام انسانوں کی فلاح و سکون کیلئے ضابطہ کار کا تعین کیا۔ نشاۃ ثانیہ محض خواہشات اور الفاظ کے زیر و بم سے حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اس کیلئے لازم ہے کہ پیغمبر اسلام کے بتائے ہوئے عمل سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک قرآن، علمی قرآن ہے جو اوراق میں محفوظ ہے اور ایک قرآن عملی قرآن ہے جو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ یا ذات نبوت میں محفوظ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید محض ہدایت کا ہی مجموعہ نہیں بلکہ اس کا نزول ایک عدیم المثال تحریک انسانیت سے عبارت ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ کی زیر کمان مسلسل ۲۳ ربرس تک جاری رہی۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ سے مسلمانوں کو توحید ورسالت، آخرت، اخوت، اعمال صالحہ، حریت وجرأت کی صفات سے مزین کیا اور یہ بتایا کہ انسان کا منصب یہ ہے کہ وہ کرۂ ارض پر اللہ کی نیابت کرے۔ انہوں نے دیانت و امانت، ہمدردی، خیر خواہی، اولوالعزمی، شجاعت اور استقامت کا درس دیا۔ قرآن مجید نے آپ کو رحمت عالم کہا اس کا سبب یہی ہے کہ انسانی آبادی جو اخلاقی پستی کے دہانے پر پہنچ چکی تھی اس کو آپ ﷺ نے قتل وغارت گری اور ظلم وناانصافی سے نجات دلانے والا قانون عطا کیا۔ انسانی سوسائٹی میں شرم وحیا، مروت ومحبت کی لہر دوڑائی اور دنیا نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ اس فرد واحد کی صداقت پورے عالم پر چھا گئی۔

آپ ﷺ کے رحمت عالم ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تمام انبیائے کرام کی صفات سے متصف کیا گیا۔ آپ ﷺ ایک جامع صفات رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خلق عظیم پر پیدا کیا تھا۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہؓ نے آپ ﷺ کی سیرت کو عملی شکل میں دنیا میں پھیلایا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جامعیت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے ہر طبقہ، ہر صفت کیلئے ان کی سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کیلئے ایک درس اور سبق موجود ہے۔ ایک حاکم کیلئے محکوم کی زندگی، ایک محکوم کیلئے حاکم کی زندگی، ایک دولت مند کیلئے غریب کی زندگی اور ایک غریب کیلئے دولت مند کی زندگی کامل نمونہ اور مثال نہیں بن سکتی اس لئے ضروری ہے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف طبقوں کیلئے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل انسانوں کی یہ دنیا دین کے نام پر رہبانیت کا شکار تھی۔ دوسری طرف نظم ملک اور تمدن کے نام پر نفس پروری اور نفس پرستی کا بازار گرم تھا جس کا محور اس دور میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک طرف فارس میں کسریٰ کی حکمرانی تھی جو مشرقی ممالک میں اثر انداز تھی اور دوسری طرف روم میں قیصر کی جہانبانی تھی جو بلاد مغرب پر چھائی ہوئی تھی۔ نوع انسانی انہی دو بڑی طاقتوں سے متعلق ہو کر دو

بڑے گروہوں میں منقسم تھی۔ حکمران طبقہ رعایا کو جانوروں سے بدتر تصور کرتا تھا اور ان کی محنت سے دولت و آسائش کا حصول ہی حکومت کا مقصد نظر آتا تھا۔ غرض دنیا سیاسی، اقتصادی اور طبقاتی اونچ نیچ اور باہمی بے اعتمادی کا جہنم بن چکی تھی۔

رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کو رہبانیت اور استبدادیت سے نجات دلائی۔ انسانی معاشرے سے جہالت، جمود، توہم پرستی اور غربت کے خلاف جہاد کیا۔ عدل و مساوات، اخوت، باہمی کفالت اور باہمی اعتماد کی پاکیزہ تعلیمات دیں۔ کفار اور مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو ذہنی اور جسمانی اذیتیں دیں اور ان پر ظلم و ستم ڈھائے۔ کفار نے آپ ﷺ پر غلاظتیں پھینکیں، راہ میں کانٹے بچھائے، آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے خاندان کا بے رحمانہ مقاطعہ کیا مگر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار کی سرکوبی کے بجائے یہ فرمایا کہ میں تمام تر عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، قہر و عذاب کیلئے مبعوث نہیں کیا گیا۔ چنانچہ امن کی خاطر آپ ﷺ اور تقریباً تمام صحابہ کرام اپنا صدیوں قدیم آبائی وطن مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے حاکم و محکوم کا فرق مٹا کر قومی خدمت کے جذبات کو استوار کیا۔

داعی اور رعایا میں اخوت کا تعلق قائم فرمایا، معاشرت اور مدنیت کو مساوات کے زرّیں اصولوں پر تعمیر کیا، اللہ سے کٹ کر اپنے نفس کی پوجا کرنے کی سختی سے مذمت کی، بادشاہوں کی بندگی کے بجائے اللہ کی حکمرانی کو فروغ دیا، تمام انسانوں کو توحید و رسالت کے ذریعہ ایک رشتہ میں منسلک کیا۔ چھ سو سال تک دنیا نبوت کے چراغ سے محروم رہی تھی۔ توحید کا وہ سبق جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام پڑھاتے رہے تھے وہ یکسر فراموش ہو چکا تھا۔ پوری دنیا ایک ظلمت کدہ بن گئی تھی اور وحشت و ظلمت کی اس گہری تاریکی میں دنیا کا کوئی گوشہ بھی

ایسا نہیں تھا جہاں اللہ کا نام پکارا جاتا ہو۔ بتوں، پہاڑوں، ستاروں، پتھروں کو لوگ خدا کا درجہ دیتے تھے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو ضلالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکالا اور انسانیت کے اعلیٰ مدارج کی راہ دکھائی چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے منشور انسانیت پیش کیا اور فرمایا کہ عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ بزرگی اور فضیلت کا اگر کوئی معیار ہے تو وہ ''تقویٰ'' ہے۔ پھر فرمایا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے۔ آپ ﷺ نے نوکروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیئے، معاشرے میں غلط رسم ورواج کو رد کیا اور ان کے بجائے وہ اصول وضوابط عطا کئے جو انسانی فلاح و بہبود کے ضامن تھے، نیک و بد کی پہچان کرائی، بری چیزوں سے روکا اور طیب و پاکیزہ چیزوں کی اجازت دی۔ آپ ﷺ نے رنگ ونسل اور ذات پات کے فتنوں کو ختم کیا۔ وحدت انسانیت کا درس دیا، بھٹکے ہوئے انسان کا رشتہ اللہ سے جوڑا اور اسے اس کی عظمت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ شفقت ومحبت اور رحمت کے موتی بکھیرے، آپ ﷺ نے انسانیت کو ارتقا بخشا، فکر ونظر کو روشنی دی، قلوب انسانی کو بیدار کیا، امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی اور حسن اخلاق کو شعار بنانے کی تعلیم دی۔ یہ ہے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عالمگیر اخوت اور دائمی تعلیمات جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کر دیا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریگستان حجاز میں ظہور کیا مگر صحرائے افریقہ میں ان کی پکار بلند ہوئی۔ ان کی دعوت کی صدا جبل بوقبیس کی گھاٹیوں سے اٹھی اور دیوار چین سے ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی بازگشت گونجی۔ تاریخ کی نظریں جس وقت دجلہ فرات کے کنارے پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم گن رہی تھیں عین اسی وقت

گنگا و جمنا کے کنارے سینکڑوں ہاتھ تھے جو خدائے واحد کے آگے سربسجود ہونے کیلئے وضو کر رہے تھے۔

یہ ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کرشمہ جس نے چین کے مسلمانوں کو افریقہ کے مسلمان سے، عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے، ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظّمہ کے صحیح النسب قریشی سے ایک رشتہ توحید اور اسلامی برادری کے ذریعہ ملا دیا۔ اب دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو ناموسِ رسالت کے اس رشتے کو توڑ سکے۔

سیرتِ نبوی ﷺ اور مستشرقین

تعددِ ازواج: پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی نیت پر اعتراض

مستشرقین سے مراد وہ یورپی متفکرین ہیں جو علوم مشرقیہ بالخصوص علوم اسلامیہ کا مطالعہ اس خیال سے کرتے ہیں کہ اپنی تصنیفات کو بنام تحقیق علمی شائع کریں۔ ان کی تصنیفات میں ایک بات تعصب پر پردہ ڈالنے کی غرض سے قرآن، صاحبِ قرآن ﷺ اور اسلام کی تعریف میں بھی لکھ دی جاتی ہے اور بہت سی اسلامی کتابوں کے حوالے بھی درج کر دیئے جاتے ہیں تاکہ مضمون مسلمان قارئین کی نگاہ میں مقبول ہو جائے لیکن ساتھ ساتھ ایسی باتیں اور زہر شامل کر دیئے جاتے ہیں کہ مسلمان اگر عیسائی نہ ہو تو کم از کم مسلمان بھی نہ رہے یعنی قرآن اور صاحب قرآن علیہ السلام اور اسلام کے متعلق ان میں تشکک اور تردّد پیدا ہو اور عقیدہ کی پختگی زائل ہو جائے۔

یہ اسلام کے خلاف مسیحی یورپ کا قلمی جہاد ہے کیونکہ تلوار کے جہاد سے وہ کامیابی نہیں ہو سکتی جو اس قلمی جہاد سے ہو سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود مسلمان برائے نام اسلام کا نام برقرار رکھ کر اسلام کو مٹا دینے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ یہی نسخہ اکسیر ہے جو مشرقی پاکستان کے ہندو استادوں اور پروفیسروں نے وہاں اسکولوں اور کالجوں میں استعمال کیا اور اظہار ہمدردی کے لئے یہ مرچ مصالحہ بھی پیش کیا کہ مغربی پاکستان والے بنگالیوں کو لوٹ رہے ہیں۔ بنگالیت کے جذبہ کو ابھارا اور اسلامیت سے نفرت دلائی یا بدظن کیا گیا۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہمارے سامنے ہے لیکن مغربی پاکستان میں نصاب تعلیم اور اساتذہ تعلیم پر اب تک تجربے کے بعد بھی ہماری احتسابی نظر درست نہیں ہوئی، ہم انہی لایعنی جھگڑوں کے شکار ہیں۔ مستشرقین کی یہ ساری دشمنی اسلام سے ہے۔

تعددِ ازواج:

چنانچہ انہوں نے تعدد نکاح نبوی ﷺ کو ہدفِ طعن بنایا اور اس کو نفسیات کا رنگ دیا۔ ان کے اس اعتراض کے تین اجزاء ہیں:

(۱) نفس قانون تعدد پر اعتراض۔

(۲) نیت نبوی ﷺ پر اعتراض کہ اس نکاح کا محرک ہوائے نفس تھی۔

(۳) تعداد زوجات، امت کے حق میں چار تک ہے لیکن حضور علیہ السلام نے نو یا گیارہ تک نکاح کیے، اس فرق پر اعتراض۔

قانون تعداد نکاح پر اعتراض:

ظاہر ہے کہ انبیاء علیہ السلام کا قانون یورپ کے خود ساختہ قانون کا پابند نہیں۔ ہم اس سوال کا جواب دو طرح دیتے ہیں۔

(۱) نقلی یعنی یہود اور نصاریٰ کی مسلّم کتاب بائبل سے۔

پہلا حوالہ ابوالانبیاء حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے۔ بائبل پیدائش ۱۶/۴ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں بیک وقت تھیں: سارہ، ہاجرہ، قطورا۔

(۲) پیدائش ۲۴/ ۲۹ میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیک وقت چار بیویاں تھیں: لیا، زلفہ، راخل، بلبہ۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاتعداد زوجات یعنی بیویاں تھیں: استشنار ۲۱/۵۰۱۰

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کی ۱۹/ بیویاں تھیں۔ شمویل ۱۶/۲۳

(۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں تھیں۔ (سلاطین، ۱۱/۳)

یہ سب بائبل کے مستند پانچ انبیاء علیہ السلام کی متعدد زوجات کے حوالے ہیں۔ اگر ان پر

مستشرقین کو اعتراض نہیں ہے تو تعدد نکاح نبوی پر اعتراض کس منہ سے کرتے ہیں۔ یہ تو قانونِ تعدد نکاح کی نقلی دلیل عیسائیوں کی بائبل سے دی گئی۔ اب عقلی دلیل تعدد نکاح کی معلوم کرو اور سن لو۔

عقلی دلائل:

(ا) اگر یورپ کے قانون کے مطابق ایک مرد کیلئے صرف ایک بیوی کے ساتھ نکاح مختص ہوتو پھر فطرت اور قدرت کیلئے یہ ضروری تھا کہ ولادت میں ذکور واناث میں مساوات رکھی جاتی یعنی لڑکے اور لڑکیاں کل عالم میں اور ہر جگہ مساوی تعداد میں پیدا ہوتے تا کہ لڑکیوں کی تعداد بڑھنے نہ پائے۔ اگر لڑکیوں کی تعداد پیدائش لڑکوں سے ایک فی ہزار بھی زائد ہو جاتی تو سات ارب انسانی آباد میں ایک لاکھ لڑکوں کی پیدائش کے مقابلہ میں ایک لاکھ ایک سو اور ایک کروڑ لڑکوں کے مقابلہ میں دس ہزار لڑکیاں زائد ہوں گی اور ایک ارب کے مقابلہ میں دس لاکھ عورتیں فالتو ہوں گی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اب سوال پیدا ہوگا کہ یہ فالتو عورتیں جنسی فطری خواہش کی تکمیل کیلئے یا تو خلافِ فطرت تجرد پر مجبور کی جائیں گی جو ہر دور میں اور بالخصوص اس دور میں ناممکن ہے یا زناء کے ذریعہ ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کریں گی جو انسانی معاشرے کی تباہی کا موجب ہوگا لہٰذا قانون تعدد نکاح کی صورت میں جو بشرط عدل اسلام میں موجود ہے، ان کی فطری ضرورت کی تکمیل کی قانونی صورت پیدا ہوگی۔ بالخصوص آج کل جو عموماً عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہے ان کی کھپت کے لئے اسلام کے فطری قانون تعدد نکاح کے سوا اور جائز راہ نہیں۔

دوسری عقلی دلیل: تعداد اموات میں بھی قدرت کیلئے مرد اور عورتوں کی مساوات ضروری تھی۔ موت کی صورت میں اگر یک زوجگی کا یورپی قانون، قانونِ فطری اور قدرتی ہوتا تو قدرت کا فرض تھا کہ مردوں اور عورتوں کی قبض روح اور موت میں یکسانیت رکھتی تا کہ توازن پورا ہو ورنہ اگر مرد زیادہ مر جائیں اور عورتیں کم مریں اور اگر دونوں کی ولادتی

تعداد برابر بھی ہو، تب بھی بڑی تعداد عورتوں کی بچی رہے گی جن کے کھپانے کیلئے یورپی قانون میں جائز صورت کوئی نہ ہوگی۔ بہر حال یورپی قانون یک زوجگی کے تحت کارخانہ قدرت کا فرض تھا کہ وہ شرح پیدائش واموات کے دفاتر بذریعہ ملائکہ پورے ملک اور صوبوں اور ضلعوں تک میں قائم کرتی تاکہ یورپی قانون یک زوجگی کا توازن برقرار رہے لیکن ایسا نہیں ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ انسانی قانون منشاء قدرت وفطرت کی ضد ہے اور واجب الترک ہے۔

تیسری عقلی دلیل: جنگ بھی فطرت انسانی میں داخل ہے۔ انسانی افراد و اقوام قوتِ شہویہ نزوعیہ (یعنی حب الوطنی کے تحت فوائد ملک پر قبضہ کرنے کیلئے آلات حرب کے ذریعہ دوسرے ملک پر حملہ کرتے ہیں اور جس ملک پر قبضہ ہوتا ہے وہ مدافعت کیلئے جنگ کرنے پر مجبور ہوتا ہے جس کی وجہ سے دونوں قوموں کی فوجیں قوت غضبیہ کا مظاہرہ کرتی ہیں اور لاکھوں کروڑوں آدمی لقمۂ اجل بن جاتے ہیں یا بیکار ہو جاتے ہیں۔ جنگ عظیم اوّل میں ایسے مقتولین و بیکار لوگوں کی تعداد چار کروڑ تھی اور جنگ عظیم ثانی میں چھ کروڑ تعداد تھی۔ ایسی صورت میں اکثر مرد کام آجاتے ہیں اور عورتیں بچ جاتی ہیں۔

فوج میں بھرتی اکثر مرد ہیں۔ عورتیں نہ ہونے کے برابر، تو گویا ماضی میں جنگوں میں جو دس کروڑ آدمی ضائع ہوئے ان کے بالمقابل جو عورتوں کی تعداد بچ گئی اس کو کہاں کھپایا جائے۔ جائز راستہ تعدد نکاح تو مغربی قانون میں بند ہے۔ یہ دقت اس صورت میں بھی باقی رہے گی اگر قبل از جنگ مرد و زن کی تعداد برابر فرض کر لی جائے اور اگر یہ کہا جائے کہ متعدد بیویوں میں بے انصافی ہوتی ہے تو بے انصافی ایک بیوی کے ساتھ بھی کی جاتی ہے لہٰذا ایک کی بھی بندش ہونی چاہئے۔

چوتھی عقلی دلیل: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلی بیوی بیمار ہوتی ہے یا حیض و نفاس کی صورت ہوتی ہے یا بانجھ پن ہوتا ہے اور شوہر کو فرزند اور جانشین کی فکر ہوتی ہے۔ اس صورت میں جنسی جذبہ کی ضرورت بھی اس بیوی سے پوری نہیں ہوتی۔ کیا اس صورت

میں عقل کا تقاضا یہ نہیں کہ ان ضرورتوں کی تکمیل کیلئے دوسری بیوی کو نکاح میں لانے کی قانونی گنجائش موجود ہو، یا پھر بھی یہی مناسب ہوگا کہ ان ضرورتوں کو کلیۃً نظر انداز کر دیا جائے۔ اسلام نے جو دین فطرت ہے ان سب گزشتہ حالات کو پیش نظر رکھ کر بشرط عدل دوسری بیوی یا چار بیویوں تک اجازت دی اور سابق اقوام وادیان کی لاتعداد زوجات کو عدل کی شرط پر چار تک محدود کر دیا ہے۔ یورپ میں آج کل شوہروں کی سپلائی کے لئے انجمنیں قائم ہیں اور عورتیں پریشان پھرتی ہیں لیکن شوہر نایاب ہوتا جا رہا ہے۔ یہ عقدہ حل ہو جاتا اگر محمدی قانون پر عمل ہوتا۔ جیسا کہ مسیحی دنیا نے حالات سے مجبور ہو کر مسیحی قانون کو ترک کر کے طلاق میں محمدی قانون پر عمل کر کے مشکلات کو حل کیا اور نبیٔ امی ﷺ کی صداقت ماننے پر مجبور ہوئے۔ اسی طرح امریکہ نے بھی میڈیکل بورڈ کی تحقیقی رپورٹ کے بعد شراب کی صحتی، نفسیاتی، حیاتیاتی مضرات پر مطلع ہو کر ۱۹۳۷ء میں تحریم وبندش شراب کا قانون امریکہ میں نافذ کیا تھا لیکن وہ بے لگام معاشرہ کو پابند کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

عدالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے

مخزومیہ کا مقدمہ!

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اہل قریش قبیلہ بنومخزوم اس عورت کے بارے میں بہت پریشان تھے جو چوری کے جرم میں پکڑی گئی تھی۔ یہ قبیلے کی ناک کا سوال تھا۔ لوگ بے حد پریشان تھے کہ آخر اس مسئلے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کون پیش کرے (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے اس سزا کو معاف کروادے) کچھ لوگوں نے کہا: اس مسئلے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے جانے کی جرأت صرف آپ کے نورِ نظر اور من چاہے صحابی حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہی کر سکتے ہیں۔ بالآخر حضرت اسامہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس مسئلے کو پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ سے کہا ''کیا تم اللہ کے تعزیری قانون میں مجھ سے سفارش کر رہے ہو؟'' یہ کہہ کر آپ مجمع عام میں تشریف لائے اور لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا: ''تم سے پہلے کے لوگ محض اس لئے ہلاک کئے گئے کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو لوگ اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی معمولی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر کے اسے پوری سزا دیتے لیکن اللہ کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو میں اس کے ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔'' (بخاری ومسلم)

مسلم شریف میں یہ روایت ان لفظوں میں ہے کہ قبیلہ بنومخزوم کی ایک عورت لوگوں سے منگنی پر سامان مانگتی اور بعد میں انکار کر جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا معاملہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اس کے گھر والوں

نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی درخواست کی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ سے گفتگو کی تو آپ نے مذکورہ بالا جواب دیا۔

یہ عدالت محمدی ﷺ کا ایک ممتاز فیصلہ ہے جس پر احکم الحاکمین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقانیت اور شہادت کی مہر لگی ہے۔

ومایـنـطق عن الهوىٰ ان هو الّا وحی یّوحٰی.

(النجم: ۳)

اور آپ ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ آپ ﷺ کا کلام وحی ہے جو آپ پر اتارا جاتا ہے۔

آپ کے اس فیصلے سے کئی اہم باتوں کا دوٹوک فیصلہ ہو جاتا ہے۔

☆......اوّل یہ کہ اللہ کا حکم اور اس کا قانون اٹل ہے اس میں کسی اپیل کی گنجائش نہیں۔ چوری کی سزا کے بارے میں اللہ کا حکم یہ ہے:

والسّارق والسّارقة ناقطعوا ایدیهما جزاء بما کسب نکالًا مّن الله والله عزیز حکیم. (المائده: ۳۸)

اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے جرم کے بدلے میں یہ سزا اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

☆......اللہ کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ارشاد ہے۔

وتـمـت کـلـمة ربک صدقا وعدلا لامبدل لکلمٰته وهو السّمیع العلیم. (الانعام: ۱۱۶)

ترجمہ: اور تیرے رب کا کلام سچائی اور انصاف میں پورا ہو چکا اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

☆......منصب نبوت یہ ہے کہ نبی اللہ کا فیصلہ بندوں تک دوٹوک پہنچا دیتے ہیں

اور اسے بحکم الٰہی پورا کر دیتے ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:

یٰٓایّھا الرّسول بلّغ ما انزل الیک من رّبک وان لّم تفعل فما بلّغت رسٰلته واللّٰه یعصمک من النّاس انّ اللّٰه لایھدی القوم الکٰفرین. (المائدہ:٦٧)

اے رسول جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ سب آپ پہنچادیجئے۔اگر آپ ایسانہ کریں گے تو آپ نے اس کا کوئی پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کولوگوں سے محفوظ رکھے گا۔بے شک اللہ کافروں کوراہ نہیں دیتا۔

☆...... چوری ایک تعزیری جرم ہے جس میں جسمانی سزا ہاتھ کاٹنے کی دی جاتی ہے۔جیسے زنا کی سزا بھی تعزیر الٰہی ہے جو کوڑے مارکر اور سنگسار کر کے دی جاتی ہے۔ان سزاؤں میں دو چیزیں مشترک ہیں۔اوّل بے مروّتی اور بے رحمی دوسرے مجمع عام میں سزادے کر مجرم کوسزا کے ساتھ ساتھ رسوا اور ذلیل بھی کرنا ہے تا کہ عوام الناس ان سے عبرت حاصل کرسکیں اور ایسے سماجی مجرم کی سوسائٹی میں کوئی عزت نہ رہ جائے۔اللہ کا ارشاد ہے:

ولا تأخذکم بھا رأفة فی دین اللّٰه. (النور:٢)

اورتم کو ان دونوں مرد اور عورت پر اللہ کے دین کے بارے میں ذرا بھی مروّت نہ آئے،مجرم بڑا آدمی ہو یا معمولی۔عورت ہو یا مرد سزا کے بارے میں کوئی رورعایت نہیں کرنی چاہئے۔

☆...... نیز ان کی سزا بند کمروں یا جیل کی کوٹھری میں نہیں مسلمانوں کے بڑے مجمع میں دینی چاہئے تا کہ جرم کی اہمیت اور مجرم کی رسوائی اور عبرت عام ہو۔فرمایا

ولیشھد عذابھما طائفة من المومنین. (النور:٢)

اور چاہئے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کا ایک گروہ حاضر رہے۔

☆......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت درجہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ

فرماتے تھے، اپنے اور غیر کی ذرا بھی رعایت نہیں فرماتے تھے۔ یہی ایک سچے حاکم اور جج کی شان ہے۔ آپ ﷺ نے یہ فرما کر کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔ آپ ﷺ نے کرسی عدالت کی عزت بڑھا دی اور ساری دنیا کیلئے قیامت تک ایک منفرد مثال چھوڑ دی۔ دنیا کی ساری عدالتیں عدالت نبوی کی عدل پروری پر قربان ہو جائیں۔ یہی وہ مقام ہے جب ہم دنیا کو یہ فیصلہ ربانی سناتے ہیں:

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ.

(احزاب: ۲۱)

بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

☆......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے والوں کا رواج تھا کہ وہ بڑے لوگوں کا جرم معاف کر دیتے تھے اور کمزور لوگوں کو سزا دیتے تھے اور یہی ان کی تباہی اور بربادی کا سبب تھا۔ آپ ﷺ نے قیامت تک ساری دنیا کے ججوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر تم نے اپنے فیصلے میں بڑے اور چھوٹے کے درمیان تمیز کی اور مجرم کے منہ دیکھ کر فیصلے کئے تو یہ نہ صرف تمہاری بلکہ ساری قوم کی تباہی، ہلاکت و بربادی کا سبب ہوگا۔

☆......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی عدالت کے ججوں کو عوام سے ہدیہ اور تحائف لینے کی سخت ممانعت فرمائی تھی اور فرماتے تھے کہ اگر کسی نے کسی کے مقابلے میں سفارش کی اور اس کے عوض ہدیہ قبول کیا تو وہ نفع سود کے حکم میں ہے۔(ابوداؤد)

عدالت نبوی ﷺ کے ان ضابطوں اور آپ ﷺ کے عادلانہ فیصلوں کو سامنے رکھئے اور تصور کیجئے کہ جس عہد مبارک میں یہ قانون عدالت میں جاری اور نافذ تھا اس وقت عوام کو کتنا امن اور چین نصیب تھا۔

عدالتوں کے جج کتنے سچے اور پاک طینت تھے، زمین عدل وانصاف سے بھری ہوئی تھی۔ گھر، محلے، بازار، کارخانے تمام سماجی مراکز میں انصاف کا بول بولا تھا اور اسی لئے ملک خیر وبرکت سے معمور امن وعافیت سے بھرپور تھے۔

آ ج دنیا ظلم اور بربریت سے تنگ آ چکی ہے، کہیں بھی امن وچین نصیب نہیں، اگر کہیں ہے تو اسلام کے سایۂ رحمت میں ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ مسلمان اپنے ملکوں میں اسلام کے قانون کا احترام کر کے ساری دنیا میں اسلام کی حقانیت اور عدل پروری کا بہترین نمونہ پیش کریں۔

عدل اسلامی نظام کی بنیاد ہے:

اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں اہل ایمان کو اپنے نفس کے مقابلے میں عدل کا حکم دیا ہے فرمایا:

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کیلئے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو جان رکھو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ (سورۃ النساء: ۱۳۵)۔

مذکورہ بالا آیت عدالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دستور تھی۔

حضور ﷺ کے معاملات ازواج مطہرات کے ساتھ

پہلا واقعہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے تو آپ کی دوسری بیوی نے کچھ کھانا پکا کر ایک کٹورے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (کو غیرت آئی کہ میرے گھر رہتے ہوئے بھی حضور ﷺ کے پاس کوئی کچھ بھیجے جیسا کہ بیویوں میں چلتا ہے۔ اس لئے انہوں) نے خادمہ کے ہاتھ پر مارا جس سے وہ کٹورا نیچے گر پڑا اور کٹورا ٹوٹ کر کھانا بکھر گیا۔ آپ ﷺ نے اس کھانے کو اکٹھا کیا، پیالہ کو ٹھیک کیا اور کہا کہ اسے کھاؤ اور پھر کھانے سے فارغ ہو کر خادمہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے دوسرا پیالہ بدلہ میں دے کر بھیجا اور ٹوٹا ہوا پیالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رکھ دیا۔ (بخاری شریف)

ظاہر ہے کہ دونوں پیالے خود حضرت کے ہی تھے، دوسری بیوی کی دلجوئی کیلئے بدلہ میں بھیجا تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فعل کو گوارا کر لیا۔

دوسرا واقعہ:

جمع الفوائد میں مسند ابویعلی موصل سے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حریرہ بنا کر لائی اس وقت حضرت

سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم بھی کھاؤ۔ انہوں نے کسی وجہ سے انکار کردیا۔ میں نے کہا کہ یا تو کھاؤ ورنہ اس حریرہ سے تمہارا منہ سان دوں گی۔ انہوں نے پھر بھی انکار کیا تو میں نے حریرہ سے ہاتھ بھر کران کا منہ سان دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر مسکرائے اور پھر اپنے ہاتھ سے مجھ کو دبایا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم ان کا منہ سان دو۔ تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے حریرہ لے کر میرا منہ سان دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ ایسے معمولی معاملات میں بھی ایسی رعایتیں کرنا غایت درجہ کی شفقت کی دلیل ہے۔ (اسوۂ رسول ﷺ، ص ۱۰۵)۔

تیسرا واقعہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آ گئی (رخصتی ہونے پر) تو آپ ﷺ کے گھر میں میری سہیلیاں آتیں اور میں ان کے ساتھ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو آپ ﷺ کی (ہیبت اور شرم کی) وجہ سے میری سہیلیاں کسی مکان میں جا کر چھپ جاتیں، تو آپ ﷺ ان کو اکٹھا کر کے لاتے اور میرے پاس کھیلنے کو بھیجتے۔ (بخاری شریف، ص ۵۰۹، ج ۲، مسلم ص ۲۸۵، ج ۲)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکیوں کا گڑیاں بنا کر کھیلنا جائز ہے مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس سے وہ گڑیاں مراد ہیں جو دیہات میں عام طور سے لڑکیاں کپڑے کی بناتی ہیں، ان میں تمام اعضاء نہیں ہوتے، ورنہ مول کی گڑیاں جس میں آنکھ، ناک، کان سبھی اعضاء نمایاں ہوتے ہیں وہ تصویروں کے حکم میں داخل ہیں، ان کا گھر میں رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

اس کھیل کا فائدہ علامہ نوویؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کھیل سے لڑکیاں بچپنے ہی میں ان تمام کاموں کی مشق کر لیتی ہیں جو ان کو آگے چل کر اپنی اور اپنی اولاد گھر بار کے متعلق پیش آنے والے ہیں۔ (شرح مسلم للنووی، ص ۲۸۵، ج ۲)

چوتھا واقعہ:

مدارج النبوۃ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک مرتبہ دوڑ میں بازی کی کہ کون آگے نکلے گا؟ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہلکے بدن کی تھیں، اس لئے دوڑ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل گئیں۔ پھر کچھ زمانہ بعد دوسری مرتبہ دوڑ ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔ اس لئے کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بدن بھاری ہو گیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ یہ تمہارے پہلی مرتبہ آگے نکلنے کا بدلہ ہے۔ (اسوۂ رسول ﷺ، ص ۱۰۳، حیاۃ الصحابہ ص ۶۷۴)۔

پانچواں واقعہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حبشی لوگ ہتھیاروں سے مشق کرتے تھے (لوگ ان کے کھیل کود دیکھنے کیلئے جمع رہتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھیل دکھانے کیلئے چھپا لیتے (تا کہ مجھ پر کسی کی نگاہ نہ پڑے) اور میں برابر کھیل دیکھتی رہتی۔ یہاں تک کہ خود ہی واپس ہوتی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اکتاتے اور فرماتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ اندازہ لگاؤ ایسی لڑکی جو نو عمر ہو اور کھیل دیکھنے میں مصروف ہو تو وہ کتنی دیر لگاتی ہوگی۔ (بخاری شریف)

کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل لگی کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے اور جب ناراض ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معلوم کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو مجھ سے ناراض ہوتی ہے تو ابراہیم کے رب کی قسم کھاتی ہے میرا نام نہیں لیتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانے پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ واقعی یا رسول اللہ میں صرف آپ کا نام ہی تو چھوڑتی

ہوں۔(بخاری شریف،ص ۷۸۷،ج ۲،مسلم ص ۶۸۵،ج ۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لہجے سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو آپ ﷺ کے نام نہ لینے پر رنج ہوتا تھا مگر غصہ کی وجہ سے نام نہ لیتیں۔اسی لئے فرمارہی ہیں کہ یارسول اللہ صرف نام ہی تو نہیں لیتی یعنی دل میں تو محبت موجود رہتی ہے۔

چھٹا واقعہ:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت مانگی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بلند سنائی دی (حضرت عائشہؓ حضور ﷺ پر خفا ہوکر زور زور سے بول رہی تھیں) جب ابوبکرؓ اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہؓ کو پکڑا تاکہ ان کو طمانچہ ماریں اور فرمایا: خبردار! اب میں تجھ کو کبھی نہ دیکھوں کہ تیری آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہو۔حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو کمر سے پکڑ لیا (اور حضرت عائشہؓ کو ان کی مار سے بچالیا) حضرت ابوبکرؓ خفا ہوکر چلے گئے۔جب حضرت ابوبکرؓ باہر تشریف لے گئے تو حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: دیکھا میں نے تجھے اس آدمی سے کیسے بچالیا؟ حضرت ابوبکرؓ کچھ دنوں رُکے رہے اس کے بعد پھر آپ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگی تو دیکھا کہ ان دونوں میں صلح ہوگئی ہے تو ان دونوں سے کہا کہ تم اپنی صلح میں مجھے بھی شامل کرلو جیسا کہ تم دونوں نے اپنی لڑائی میں مجھے شریک کیا تھا۔تو حضور ﷺ نے (کئی مرتبہ) فرمایا کہ ہم نے (شامل) کرلیا، ہم نے (شامل) کرلیا۔(ابوداؤد شریف،ص ۲۸۲،ج ۲)۔

محمد ﷺ ہمارے بڑی شان والے

حضرت داوٗدؑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی خواہش کے تابع نہ ہو جانا لیکن حضور ﷺ کے لئے خود فرمایا: یہ خواہش کے تابع ہو کر بولتا ہی نہیں‘ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی: یا اللہ میرا سینہ کھول دے‘ رب کائنات نے محمد ﷺ کے لئے فرمایا: ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا‘ کلیم اللہ نے دعا کی: میرا کام آسان کر دے‘ ذوالجلال والاکرام نے احمد مجتبیٰ ﷺ کے لئے فرمایا: ہم نے آپ کے بوجھ اٹھا دئے‘ کام آسان کر دیا‘ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی کہ یا اللہ بعد کے لوگوں میں میرا نام اونچا کر دے‘ رب العٰلمین نے سید الانبیاء ﷺ کو اپنی طرف سے تحفہ عطا کرتے ہوئے فرمایا: ہم نے آپ کے نام کو اونچا کر دیا‘ خلیل اللہ نے دست سوال دراز کیا۔ اے میرے رب مجھے جنت دے دے‘ مالک یوم الدین نے شافع محشر ﷺ کے لئے خود انعام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ہم نے آپ کو کوثر دے دی‘ اللہ کے دوست نے عرض کیا۔ میرے مالک مجھے قیامت کے روز ذلیل نہ کرنا‘ قادر وقدیر نے فخر انسانیت ﷺ کے لئے بن مانگے فرمایا: جس دن اللہ اپنے نبی کو ذلیل نہیں ہونے دے گا‘ ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچالے‘ احد وصمد نے ابوالقاسم ﷺ کے لئے فرمایا: ہم آپ ﷺ کو اور آپ کے گھر والوں کو ہر رجس اور بت پرستی‘ گناہوں سے پاک کر رہے ہیں‘ خالق کائنات نے اپنے خلیل کو کائنات کی سیر کرائی جبکہ اپنے محبوب ﷺ کو ستر ہزار نور کے پردے اٹھا کر اپنا دیدار کرایا اور دونوں اس قدر ایک دوسرے کے قریب ہوئے جیسے کمان کے دونوں سرے بلکہ اس سے بھی قریب تر‘ حضرت موسیٰؑ بھاگے بھاگے کوہ طور پر آئے‘ سانس پھولا ہوا‘ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اتنی جلدی میں کیوں آئے؟ کہنے لگے: تاکہ تو راضی ہو جائے‘

اپنے حبیب ﷺ کو ازخود پیشکش کی کہ اے میرے حبیب میں آپ کو اتنا دوں گا کہ آپ راضی ہوجائیں۔ رحمت اللعلمین ﷺ نے کہا کہ میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری ساری امت نہ بخشی جائے اور جب ارحم الراحمین نے یہ وعدہ فرمالیا کہ ہم آپ کی امت کو تنہا نہیں چھوڑیں گے' تب جا کر آپ ﷺ مطمئن ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے دس محبت بھرے نام رکھے: محمدؐ' احمدؐ' ماحیؐ' حاشرؐ' عاقبؐ' فاتحؐ' خاتمؐ' ابوالقاسمؐ' طٰہٰ اور یٰسین۔ معراج کے موقع پر اللہ کے حبیب ﷺ نے اپنے رب کے حضور گوش گزار کیا کہ یا اللہ! آپ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا' موسیٰ کو کلیم بنایا' داؤد کے ہاتھ میں لوہے کو موم کر دیا' سلیمان کے لئے ہوا کو تابع کر دیا' عیسیٰ کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا' میرے لئے کیا ہے؟ داتا و گنج بخش نے آپ ﷺ پر اپنے کرم کی انتہاء کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ آپ کو سب سے اعلیٰ و اولیٰ عطا فرمایا' میرے حبیب قیامت تک تیرا نام میرے نام کے ساتھ رہے گا' الگ نہیں ہوسکتا' لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

خدا کا ذکر کرے ، ذکر مصطفیٰ نہ کرے

ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

رب العلمین نے رحمت اللعلمین ﷺ کو وہ شان عطا فرمائی کہ بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبروں نے آپ ﷺ کا امتی ہونے کی آرزو کی' وہ بلندی پرواز عطا فرمائی کہ روح الامینؑ تک وہاں کا تصور بھی نہ کر سکے' وہ رعب و دبدبہ عطا فرمایا کہ قیصر و کسریٰ جیسے طاقتور حکمران بھی ایک مہینے کی مسافت سے ہی لرزنے لگتے تھے' وہ قلب عطا فرمایا جو دوست و دشمن سب پر مہربان تھا' اخلاق و کردار کی اس بلندی پر فائز کیا کہ مجسم قرآن بن گئے' وہ نظر عطا فرمائی کہ جس پتھر پہ پڑ گئی اسے پارس بنا دیا' وہ حسن عطا فرمایا کہ لوگ حسن یوسفؑ کو بھول گئے اور جس کے رت جگوں اور آہ و زاری نے آسمان سے رحمتوں کی بارش برسا دی۔

ہم اسی رسول ذی شان ﷺ کے امتی ہیں جس کی ایک ایک سنت کو صحابہ کرامؓ نے آنکھوں سے لگایا' حرز جاں بنایا اور ہر گوشۂ زیست کو محفوظ کر کے ہم تک پہنچایا' کیا اس

لئے کہ آج ہمارے جیسے جہلاء اٹھ کر یہ اعلان کریں کہ اسلام سنگسار کرنے اور کوڑے مارنے جیسی ظالمانہ سزائیں نہیں دے سکتا' اس لئے تاکہ ہم چوروں کی حمایت کرتے ہوئے ببانگ دہل کہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹنا ایک ظالمانہ فعل ہے' اس لئے کہ ہم اسمبلیوں کے فلور سے یہ قانون پاس کرائیں کہ توہین انبیاءؑ پر پابندی شخصی و مذہبی آزادی کے منافی ہے' اس لئے کہ ہم داڑھی' ٹوپی اور شعائرِ اسلام کو دہشت گردی کی علامت بنا دیں' اس لئے کہ ہم مساجد و مدارس کو انتہا پسندی کے مراکز قرار دیں' اس لئے کہ ہم بے حیائی کے فروغ کے لئے تحفظ حقوق نسواں کے نام پر اسمبلیوں سے بل پاس کرائیں اور قوم کی بچیوں کو انڈر ویئر میں سڑکوں پر دوڑائیں' اس لئے کہ ہم جہاد کے نام تک پر پابندی لگا کر بغیر لڑے خود کو کفار کی غلامی میں دے دیں' اس لئے کہ ہم نہ صرف دشمنوں کو اپنے ہم وطنوں پر بمباری کی اجازت دے دیں بلکہ خود بھی ان کے خلاف ''جہاد'' کر کے غازی کہلائیں' یا اس لئے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے دنیا کے واحد ملک میں اسلام کا نام لینا ہی جرم بنا دیں؟

کیا حضور ﷺ سے محبت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم سال میں ایک مرتبہ آپ ﷺ کی پیدائش کا جشن منا کر سال بھر جو جی چاہے کرتے پھریں؟ عاشق تو اپنے محبوب کی ہر ہر ادا پر مر مٹنے والے ہوتے ہیں' اس کے ہر حکم پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں' پھر ہم کیسے عاشق اور کیسے مسلمان ہیں کہ ہم نہ تو اپنے محبوب ﷺ کی سنتوں کو اپنانے کے لئے تیار ہیں' نہ ہی بدعات کو دیکھ کر ہمارے چہروں سے ناگواری ظاہر ہوتی ہے بلکہ ہم تو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر سنتوں کو مٹانے اور سنتوں کی مخالفت کرنے والوں کی معاونت کر رہے ہیں۔ خدارا دنوں کو منانے کے بجائے سیرت کو اپنائیے۔ ذرا سوچئے کہ ہم روز حشر شافع محشر ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے اور کس منہ سے آپ ﷺ کے سامنے جا کر شفاعت کے امیدوار ہوں گے؟

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہوں گی اس کو ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرا وہ شخص جس کو کسی بندہ سے محبت ہو اور محض اللہ ہی کیلئے محبت ہو یعنی کسی دنیاوی غرض سے نہ ہو۔ تیسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچالیا ہو، خواہ پہلے ہی سے بچایا ہو اور خواہ کفر سے توبہ کرلی اور بچ گیا اور اس کے بعد وہ کفر کی جانب متوجہ ہونے کو اس قدر ناپسند کرتا ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص پورا مومن نہیں ہوسکتا جب تک میرے ساتھ اتنی محبت کامل نہ ہوجائے کہ اس کی اپنے والدین، اپنی اولاد اور ہر ایک کے ساتھ محبت سے تجاوز کرجائے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس وجہ سے کہ وہ تم کو اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور مجھ سے محبت رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے۔ (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا "یارسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے اس کیلئے کیا تیاریاں کی ہیں جو اس کے آنے کا شوق ہے؟

اس نے عرض کیا کہ میں نے نماز، روزہ کا زیادہ سامان نہیں کیا مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور رسول ﷺ سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت میں ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہوگا۔ (بخاری ومسلم)۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آیت کی تلاوت میں پوری شب گزار دی۔ آیت کریمہ کا ترجمہ ہے ''اے پروردگار! اگر آپ ان کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں۔ آپ کو ان پر ہر طرح کا اختیار ہے اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو آپ کے نزدیک کچھ مشکل کام نہیں کیونکہ آپ زبردست ہیں۔'' (نسائی وابن ماجہ)

اندازہ کیجئے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ کتنی بڑی شفقت ہے کہ تمام رات کا آرام امت پر قربان کر دیا، اس کیلئے دعا مانگتے رہے اور سفارش فرماتے رہے لہٰذا کون ایسا بے حس ہوگا کہ اتنی بڑی شفقت سن کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے عرفہ کی شام مغفرت کی دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کو جواب دیا گیا کہ میں نے ان کی مغفرت کر دی بجز حقوق العباد، کہ اس میں ظالم سے مظلوم کا بدلہ ضرور لیا جائے گا اور سزا کے بغیر مغفرت نہ ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دعا فرمائی:

''اے پروردگار! اگر آپ رضامند ہوں تو مظلوم کو اس کے حق کا عوض جنت سے دے کر ظالم کی مغفرت فرما سکتے ہیں۔''

تاہم اس شام کو اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ البتہ جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے پھر وہی دعا کی اور اللہ نے آپ ﷺ کی درخواست قبول فرمالی۔ (ابن ماجہ وبیہقی)

مفسرین علماء کرام نے کہا ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقوق العباد علی الاطلاق بغیر سزا معاف ہوجائیں گے۔ دراصل اس دعا کے قبول ہونے سے قبل دو احتمال تھے: اوّل یہ کہ حقوق العباد کی سزا میں جہنم میں ہمیشہ رہنا ہوگا، دوم یہ کہ گو جہنم میں ہمیشہ نہ رہنا ہو لیکن سزا ضرور دی جائے گی۔ اب اس دعا کے قبول ہوجانے کے بعد دو وعدے ہوگئے: ایک یہ کہ بعد سزا کبھی نہ کبھی ضرور نجات ہوجائے گی، دوسرا یہ کہ بعض معاملات میں یہ بھی ہوگا کہ مظلوم کو نعمتیں دے کر راضی کرا دیا جائے اور سزا نہ دی جائے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کی بخشش کیلئے کس قدر فکر و تردّد کا اظہار کیا۔

☆ حق تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی امت کے معاملہ میں خوش کر دیں گے اور رنج نہ دیں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی بھی خوش نہ ہوں گے۔ اگر آپ ﷺ کی امت میں سے ایک آدمی بھی دوزخ میں رہا۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ حمار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی میں سزا دی۔ ایک اور مرتبہ اسی جرم میں سزا ہوئی تو ایک صحابی نے کہا کہ اے اللہ اس پر لعنت کر، کس کثرت سے یہ شراب پیتا ہے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: ''اس پر لعنت نہ کرو، واللہ! میرا یہ علم ہے کہ یہ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔'' (ابوداؤد)

یعنی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی کتنی قدر فرمائی گئی کہ اتنا بڑا گناہ کرنے پر بھی اس پر لعنت کی اجازت نہیں دی گئی۔ اگر ہم ایسے عظیم محبت کرنے والوں سے بھی محبت نہ کریں تو اس سے بڑی بدقسمتی اور احسان فراموشی کیا ہوسکتی ہے۔

انسانِ کامل ﷺ کا پہلا خطبۂ جمعہ

مدینہ منورہ سے کوئی تین میل کے فاصلے پر قبا آباد ہے۔ یہاں انصار کے جو خاندان رہتے تھے ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاندان کی مہمانی قبول فرمائی۔ جو صحابہ پہلے ہی مدینہ آ چکے تھے، ان میں سے اکثر یہیں قیام پذیر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین روز بعد مکہ سے روانہ ہوئے۔ وہ بھی پا پیادہ سفر کرتے ہوئے پہنچ گئے اور یہیں ٹھہرے۔ قبا میں آپ ﷺ کا پہلا کام مسجد تعمیر کرانا تھا۔ یہ پہلی مسجد تھی۔ یہاں چند روزہ قیام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ بنی سالم کے گھروں تک پہنچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آ گیا۔ جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی اور نماز سے پہلے خطبہ دیا۔

اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے خطبۂ نماز جمعہ کے چند حصے پیش کیے جاتے ہیں۔

☆☆☆

☆ حمد و ستائش اللہ کیلئے ہے، میں اسی کی حمد کرتا ہوں (اور) مدد، معافی اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میری شہادت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں (اور) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا بندہ اور رسول ہے۔

☆ جو کوئی اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہی کامیاب ہے اور جس نے اس کا حکم نہ مانا وہ

راستہ سے بھٹک گیا، درجہ سے گر گیا۔"

☆ لوگو! جن باتوں سے اللہ نے تم کو منع کیا ہے ان سے بچتے رہو۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر......۔"

☆ مسلمانو! اپنے موجودہ اور آئندہ ظاہر و باطن میں تقویٰ کو پیش نظر رکھو کیونکہ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کی برائیاں گھٹادی جاتی ہیں اور اجر بڑھادیا جاتا ہے۔ تقویٰ والے ہی وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچیں گے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو اللہ کی ناخوشی، غصہ اور عذاب کو دُور کرتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو چہرہ کو درخشندہ، پرورد گار کو خوش اور رتبہ کو بلند کرتا ہے۔

☆ مسلمانو! حظ اٹھاؤ مگر حقوقِ الٰہی میں فروگزاشت نہ کرو۔ اللہ نے اسی لئے تمہیں اپنی کتاب دکھائی ہے اور اپنا راستہ دکھایا ہے تاکہ سچوں اور جھوٹوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔

محسن انسانیت ﷺ کا آخری خطبہ

خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم سن ۹ ہجری میں آخری سفرحج پر روانہ ہوئے۔ بیت اللہ سے فارغ ہوکر صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پرتشریف لے گئے اور چوٹی پر چڑھ کر کعبے کی طرف رُخ کیا اور تلبیہ وتکبیر کہی۔ دوسرے دن عرفات تشریف لے گئے اور ایک لاکھ افراد کے سامنے آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر یہ خطبہ دیا:

''تمام تعریفیں صرف اللہ کیلئے ہیں، ہم اُسی کی حمد کرتے ہیں اور اُسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اما بعد! میرا خیال ہے کہ آج کے بعد تم سے اس مقام پر ملاقات نہ ہوسکے گی۔ لوگو! تمہارا خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر حرام کردیے گئے ہیں۔ تمہیں عنقریب اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔

خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا۔ لوگو! دور جاہلیت کی ہر رسم کو میں اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں، تمام سودی لین دین آج سے کالعدم کیا جارہا ہے۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کیئے جاتے ہیں۔ لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی اور کو نہ آنے دیں۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کی اچھی طرح نگہداشت کرو۔ شیطان اس بات سے تو مایوس ہوگیا ہے کہ اس سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے گی البتہ وہ خوش ہے کہ اس کی اطاعت ایسے گناہوں میں ضرور کی جائے گی جنہیں تم ہلکا سمجھتے ہو۔ لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ اللہ کی نظر میں

سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی کے مقابلے میں کوئی برتری نہیں۔ میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی نئی امت پیدا ہونے والی ہے۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا.

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو نظام زندگی کے طور پر پسند کر لیا۔
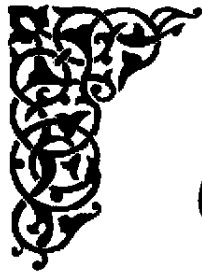
درود شریف کے آداب وفضائل

ہر محبّ اپنے حبیب کا ذکر تسکین روح کیلئے ہمیشہ کرتا ہے۔ مخلوق اپنے خالق کا ذکر، امتی اپنے نبی کا ذکر اپنے ایمان کے اظہار کیلئے لازماً کرتے ہیں۔ اللہ جل جلالہٗ نے بھی اپنے ذکر کی تلقین بار بار فرمائی۔ آیات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

☆ ترجمہ: اللہ کو بکثرت یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (آیت ۱۰، سورۃ الجمعہ)

☆ ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کو بہت ہی زیادہ یاد کیا کرو۔ (آیت ۴۱، سورۃ الاحزاب)

☆ ترجمہ: اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ (آیت ۳۵، سورۃ الاحزاب)

☆ ترجمہ: اے ایمان والو (کہیں تمہیں) تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہی لوگ خسارے میں ہیں۔ (آیت ۹، سورۃ منافقون)

☆ ترجمہ: تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔ (آیت ۱۵۲، سورۃ بقرہ)

☆ ترجمہ: جس نے مجھ سے منہ پھیرا اس کی زندگی تنگ (پریشانی والی ہوگی) اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ (آیت ۱۲۴، سورۃ طٰہٰ)

☆ ترجمہ: ایمان والوں کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں، خبردار (ہاں یقیناً) اللہ کی یاد ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ (آیت: ۲۸، سورۃ رعد)

اللہ کی بکثرت یاد کیلئے قرآن مجید کی بہت سی آیات موجود ہیں، اللہ تعالیٰ نے جیسے لوگوں سے اپنا ذکر بکثرت کروانا پسند کیا ویسے ہی اس نے حکماً فرمایا:

☆ ترجمہ: یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی

ان پر درود اور سلام بھیجا کرو'' یعنی اللہ اپنے نبی کی تعریف فرماتا ہے اور ان کا نام بلند کرتا ہے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اللہ کے فرشتے اللہ کے نبی سے حد درجہ محبت رکھتے ہیں اور آپ کے بلندیٔ درجات کیلئے اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ یہی حکم مومنوں کو بھی ہے کہ وہ بھی آپ سے محبت کریں۔ ان کی قدر پہچانیں اور ان پر درود بھیجیں۔

صلوٰۃ علی النبی کے معنی:

صلوٰۃ عربی زبان کا لفظ ہے۔ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صلوٰۃ علی النبی کا معنی اردو میں درود بھیجنا لیا جاتا ہے۔ آیت کریمہ میں یہ ایک ہی لفظ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور انسانوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ امام ترمذی نے اس فرق کا ذکر یوں کیا ہے:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ معنی رحمت نازل فرمانا ہے اور فرشتوں کی طرف سے (بلندی درجات کیلئے) استغفار کرنا ہے۔''

امام المحدثین امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب بخاری شریف میں ذکر فرمایا۔ امام ابوالعالیہ کا قول ہے:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنی فرشتوں میں اپنے نبی ﷺ کی ثناء بیان کرنا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی نبی کیلئے دعا کرنا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی نبی ﷺ کیلئے برکت کی دعا کرنا ہے۔ (بخاری شریف، ص ۷۰۷، جلد۲)

مسلمانوں سے بھی کہا جا رہا ہے کہ تم بھی اللہ کے نبی کیلئے رحمت کی دعا یا برکت کی دعا یا اللہ تعالیٰ کی ثناء کی دعا کیا کرو۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ثناء کے معنی (تعریف) کو ترجیح دی ہے۔

فضائل درود شریف:

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو

مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ (نسائی، ص۱۵۲، جلد۱، مسلم ۱۷۵، جلد۱، مشکوٰۃ، ص۸۶، جلد۱)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے دس گناہ معاف اور دس درجے بلند فرماتا ہے۔ (نسائی ص۱۵۲، جلد۱، مشکوٰۃ ص۸۶، جلد۱)

☆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس بدیاں مٹادی جاتی ہیں، اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں اور اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میرے قریب تر وہ شخص ہوگا جو میرے لئے بکثرت درود پڑھتا رہے گا۔ (مشکوٰۃ ۸۶، جلد۱، بحوالہ ترمذی)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی ہزار دفعہ روزانہ درود پڑھتا رہے گا وہ موت سے پہلے جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا۔ (جلاء الافہام بسلسلہ حدیث ۱۵)

☆ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح وشام دس دس مرتبہ مجھ پر درود پڑھتا رہے گا قیامت کے دن اس کو میری شفاعت نصیب ہوگی۔

☆ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا کرنے لگا "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سمجھایا کہ جب نماز کے تشہد میں بیٹھو تو اللہ کی حمد کے کلمات پڑھو، اس کے بعد مجھ پر درود پڑھو، اس کے بعد جو چاہے سو دعا کرو (یقیناً قبول ہوگی)، اس کے بعد ایک اور شخص آیا، اس نے نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کیلئے درود پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی (اب) دعا کرو (یقیناً) قبول ہوگی۔ (مشکوٰۃ، ص ۸۶، بحوالہ ترمذی، ابوداؤد)۔

درود نہ پڑھنے والے کیلئے وعید:

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ذلیل ہو جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور اس نے درود نہ پڑھا، وہ شخص بھی ذلیل ہو جس نے ماہِ رمضان کو پایا اور مغفرت حاصل نہ کی اور وہ بھی ذلیل ہو جس کے والدین ہر دو یا ایک بوڑھے ہوگئے اور اس نے ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔ (مشکوٰۃ، ص ۸۶، جلد ۱)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ (لوگو) اپنے گھروں کو قبریں نہ بناڈالو (یعنی ذکر اذکار اور نفلی نماز سے خالی نہ رکھو) اور میری قبر کو عید (یعنی میلہ گاہ) نہ بنالو، درود پڑھا کرو، مجھے پہنچایا جاتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔ (مشکوٰۃ، ص ۸۶ بحوالہ نسائی)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے درود نہ پڑھا۔ (مشکوٰۃ، ص ۸۷، جلد ۱)

یعنی جیسے بخیل اللہ کی رحمت (یعنی جنت سے)، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے بندوں سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے اسی طرح درود نہ پڑھنے والا بھی ایسی وعید کا حقدار ٹھہرے گا۔

☆ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلا وضو نماز نہیں ہوتی۔ بسم اللہ نہ پڑھے تو وضو نہیں ہوتا اور جو نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (جلاء الافہام بسلسلہ حدیث نمبر۱۱، بحوالہ طبرانی)

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ درود کے بغیر دعا زمین و آسمان کے درمیان میں لٹکی رہتی ہے۔ (یعنی قبول نہیں ہوتی) (ترمذی، ص۶۴، جلد۱)

☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی مقام پر لوگ مل بیٹھیں، اللہ کا ذکر نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھیں، ویسے ہی اٹھ کر چلے جائیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے وہ کسی بدبودار مردار سے اٹھے ہوں۔ (جلاء الافہام بسلسلہ حدیث نمبر۲۵)

☆ حضرت ابوعمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجلس والے ذکر الٰہی اور درود مصطفیٰ ﷺ کے بغیر منتشر ہوجائیں تو یہ مجلس ان کیلئے باعث حسرت وافسوس ثابت ہوگی۔ (جلاء الافہام بحوالہ طبرانی)

فوائد:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ رات کو اٹھتے تو فرمایا کرتے: لوگو اللہ کو یاد کرو، لوگو اللہ کو یاد کرو (یوں خیال کرو کہ) زلزلہ بپا کرنے والی آ گئی، اس کے بعد آنے والی بھی آ گئی۔ موت مکمل مصائب کو لئے آ گئی۔ آپ سے میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میں حضور پر درود پڑھا کرتا ہوں فرمایئے درود کی کیا مقدار رکھوں (یعنی وظیفوں اور دعاؤں کے مقابل) فرمایا: جتنا تو چاہے۔ میں نے عرض کیا: چہارم حصہ (رکھوں)، فرمایا اگر اور زیادہ کردے تو بہتر ہے۔ عرض کیا دوتہائی، فرمایا جتنا تو چاہے، اگر اور زیادہ کردے تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا میں پھر تمام (وقت) آپ پر درود پڑھنے میں صرف کروں گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا یکفی همک ویغفر لک ذنبک.

ایسی حالت میں (درود) تیرے تمام مقاصد کیلئے کفایت کرے گا اور تیرے گناہوں کو بخشوادے گا۔ (مشکوٰۃ، ص ۸۶، بحوالہ ترمذی جلاء الافہام، حدیث نمبر ۱۹)

معلوم ہوا کہ تمام دعا اور ہر طرح کے وظیفہ کی جگہ صرف درود ہی پڑھتے رہنے سے تمام مقاصد بھی پورے ہوجاتے ہیں۔ واہ سبحان اللہ! کس قدر مفید تر عمل ہے اللہ توفیق دے کہ ہم مسنون درود پڑھا کریں۔

مزید چند فوائد مختصراً ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل، اللہ تعالیٰ اور فرشتوں سے موافقت دعا کے اوّل وآخر درود پڑھنے سے اس کی قبولیت کی امید حاصل ہوتی ہے۔ درود خوانی شفاعت نبوی کے حصول کا سبب ہے۔ درود پڑھنا رنج وغم کیلئے اللہ کے کافی ہونے کا سبب ہے۔ درود خوانی سے قیامت کو رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل ہوگا۔

درود خوانی قیامت کی پریشانیوں سے نجات کا سبب ہے، جس مجلس میں درود پڑھا جائے وہ مجلس پاکیزہ ہوجاتی ہے۔ درود پڑھنے سے فقر وتنگدستی جاتی رہتی ہے، پل صراط پر بندہ کو درود پڑھنے سے وافر نور ملے گا۔

درود کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ درود خوانی رسول اللہ ﷺ سے کامل محبت اور ان سے عقیدت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ درود خوانی انسان کی ہدایت اور حیات قلب کا سبب ہے۔ درود کا پڑھنا پل صراط سے بحفاظت گزر جانے کا ذریعہ ہے، درود کا پڑھنا ذکر الٰہی، شکر ربانی اور احسانات خداوندی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے جلاء الافہام اور مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام میں درج بالا انواع کے علاوہ بھی بہت فوائد ذکر کئے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کے ایمان میں اضافہ کا سبب ہیں۔ انہوں نے قریباً چالیس فوائد ذکر کئے ہیں۔

درود شریف کے خاص مواقع:

درود کس کس جگہ پڑھنا چاہئے اس کی تفصیلات کتب حدیث کی ورق گردانی سے نیز علامہ ابن قیمؒ کی کتاب جلاء الافہام سے مختصراً پیش خدمت ہے۔ امام ابن قیمؒ نے چالیس ایسے مقامات شمار کئے ہیں جہاں درود پڑھنا سنت ہے یا مستحب ہے۔

راقم الحروف صرف چند ضروری مقامات کی نشاندہی کرنا چاہتا ہے:

(۱) نماز کا آخری تشہد (۲) دعائے قنوت کا آخر

(۳) نماز جنازہ (۴) خطبہ جمعہ، عیدین یا استسقاء

(۵) اذان کے بعد (۶) دعا کے اوّل، درمیان اور آخر میں

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر

(۸) مسجد میں آتے جاتے وقت (۹) جمعہ کے دن

(۱۰) خطبہ نکاح میں (۱۱) صبح وشام کے وقت

(۱۲) گناہ صادر ہوجائے تب (۱۳) تنگی اور حاجت کے وقت

(۱۴) قرأت میں آنحضرت ﷺ کا نام سن کر

(۱۵) جب آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ..... الخ پڑھی جائے۔

اذان سے پہلے درود ثابت نہیں:

نماز ہر مسلمان پر روزانہ پانچ مرتبہ فرض کی گئی ہے۔ اس کے اوقات کا تعین بھی بذریعہ وحی ہوا۔ وقت پر تمام نمازیوں کو مطلع کرنے کیلئے اذان کے کلمات بھی بذریعہ وحی متعین ہوئے۔ یہ اذان بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں بطور مؤذن متعین تھے۔ ان ہر دو کی اذان کے کلمات کتب حدیث میں مفصل موجود ہیں۔

یہی اذان عہد نبوی پھر خلافت راشدہ کے دور میں ہوتی رہی۔ اموی اور عباسی دور

کے خلفاء کے زمانہ میں تمام اسلامی ممالک میں یہی اذان پانچ مرتبہ یومیہ ہوتی رہی۔ کسی نے بھی اذان سے پہلے ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' وغیرہ کے کلمات نہیں کہے۔ یہ بدعت ۷۹۱ ہجری میں منطاش نامی گورنر نے شروع کروائی۔

پہلے اس نے بعض صوفیوں اور جاہل فقیروں کے مشورہ سے جھوٹا خواب گھڑا پھر مصر کے داروغہ نجم الدین الطلبندی کو سنا کر اذان سے پہلے یہ کلمات بلند آواز سے کہلوانے شروع کئے۔ یہ داروغہ بقول علامہ مقریزی بڑا راشی، جاہل اور ظالم تھا۔ (الخطط والآثار، ص ۴۴ تا ص ۴۷، جلد چہارم)

ہمارے ملک پاکستان میں بھی بعض علاقوں میں چند سالوں سے بعض مساجد میں ایک خاص مکتب فکر والے اصحاب نے صرف اپنی مساجد کے امتیاز کیلئے اس بدعت کو جزو اذان بنالیا۔ خدارا کچھ تو سوچئے! کہ ایک طرف حب رسول کے بلند وبانگ دعوے اور دوسری طرف اتنی عظیم جسارت کر کے دین میں بدعت کا رواج اور ارشاد نبوی ﷺ کی صریحاً مخالفت اور اس پر اصرار آخر یہ کیسا دین اور کیسی محبت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسی عقیدت ہے کہ انہی کے فرمان کی قدر نہ جانی۔ پاکستان میں اب تک معمر بزرگ موجود ہیں، ان سے پتہ کیجئے۔ آیا لاؤڈ اسپیکر عام ہونے سے پہلے یہ کلمات اذان سے پہلے سنے گئے تھے؟ یاد رہے کہ اذان دین کا ایک جزو ہے اس پر ثواب ملتا ہے مگر بدعت کے پھیلانے پر بجائے ثواب کے گناہ ملتا ہے۔ آیئے! حب نبوی کے تقاضے پورے کرتے ہوئے مسنون اذان اور اذان کے بعد مسنون دعا اور درود پڑھ کر ثواب حاصل کریں اور دین میں تحریف اور اپنی طرف سے قطع و برید کے اضافہ سے مکمل پرہیز کریں۔ اذان سے پہلے یہ نقلی درود چھوڑ کر اللہ و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

درود کے الفاظ:

درود کے موضوع پر مرفوع روایات بیالیس صحابہؓ سے مروی ہیں۔ موقوف اور مرسل

روایات تینتیس ہیں۔ حدیث کی کتاب میں درود کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے موجود ہیں۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کیلئے سلام کے کلمات تو ہم جانتے ہیں، درود کے الفاظ کیسے ادا کیے جائیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یوں) کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

درج بالا الفاظ بخاری شریف کے ہیں۔

(۲) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ سلام کے الفاظ (تو معلوم) ہیں، درود آپ پر کیسے پڑھا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (یوں) کہو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ.

(۳) حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اس مجلس میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ پر درود پڑھیں۔ (آپ ﷺ فرمایئے ہم کیسے پڑھیں؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔ ہم نے سوچا، اگر یہ سوال نہ کرتا تو بہتر تھا (شاید آپ ﷺ کو سوال ناپسند آیا) پھر کچھ دیر بعد (غالباً وحی آجانے کے بعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کہو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (ابن ماجه، ص ٦٥، ابو دائود، ص ١٤١، ج ١)

(۴) حضرت کعب بن عجرہؓ کی حدیث شریف (ابوداؤد ص ۶۵، ج ۱) میں درود کے یہ الفاظ آتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (ابو دائود، ص ١٤١)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہتا ہے کہ اس کو مکمل وزن سے ثواب ملے تو جب وہ ہمارے لئے اہل بیت سمیت درود پڑھے تو یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاٰلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد.

(۶) زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے (درود کے بارے میں) سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر درود پڑھواور توجہ سے دعا کرواور یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ. (نسائی، ص ۱۵۲، جلد اوّل)

(۷) حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (درود یوں) پڑھو

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ. (ابوداؤد، ص ۱۴۱، جلد اوّل)

تحریر میں درود:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب میں درود لکھتا ہے فرشتے صبح وشام اس کے حق میں دعائے رحمت فرماتے رہتے ہیں۔ جب تک یہ درود اس کتاب میں لکھا رہے گا۔ (اجلاء الافہام بسلسلہ حدیث ابن عباس نمبر ۳۰)

امام جعفرؒ کا قول بھی یوں ہی ہے۔ درج بالا اقوال کو سامنے رکھ کر غور فرمایئے۔ حضراتِ محدثین کس قدر رحمتوں کو حاصل کر پائے جن کی تالیفات کے ہر صفحے پر کئی بار درود درج ہے۔

فذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یّشاء.

مختصر درود:

روایات مذکورہ سے آپ نے مسنون درود کے الفاظ ملاحظہ فرمائے۔ اگر درود کے مختصر الفاظ پڑھ لئے جائیں تو اس پر بھی رحمت خداوندی کا حصول یقینی ہے۔ مختصر الفاظ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ**

(۲) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ. (ابوداؤد، ص ۱۴۱، جلد اوّل)

(۳) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ.

(جلاء الافہام بحث حدیث اوس بن اوس نمبر ۲۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کی نماز کے بعد کلام کرنے سے پہلے سو بار درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا، تیس دنیوی اور ستر اُخروی۔ نماز مغرب کے وقت بھی اسی طرح عمل کرے۔

(۴) لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ پر درود کی کیا صورت ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود والی آیت پڑھ کر آخر میں سکھایا:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ. (حوالہ جلاء الافہام، مقام درود نمبر ۳۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامی نامی اسم گرامی سن کر پڑھے:

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

تمنائے دل:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کے پیش نظر ہر مسلمان کی یہی تمنا ہونی چاہئے کہ وہ آپ کے بتائے ہوئے الفاظ کو ہی اپنی دعاؤں میں اور خاص کر درود میں ادا کرے۔ درود محبت وعقیدت سے پڑھئے، ضرور پڑھئے مگر صرف اور صرف مسنون درود پڑھئے۔

عشق رسول ﷺ کا مطلب؟

قال اللّٰہ تعالیٰ ...... واذکر فإن الذکریٰ تنفع المؤمنین.
وقال تعالیٰ: قل إن کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ

ترجمہ: اور نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت، ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ سے محبت کا دم بھرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ آپ سے محبت کریں گے۔

نصیحت کا مطلب اور اہمیت:

نصیحت کسے کہتے ہیں؟ جب کوئی کپڑا پھٹ جاتا ہے تو اس کو سینا نصیحت کہلاتا ہے۔ گویا اگر ہم گناہ کر کے تقویٰ کے لباس کو پھاڑ ڈالیں تو دوسرے مومن کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس عیب کی اصلاح کرنے کیلئے نصیحت کرے یعنی اس کو چھپائے تاکہ آئندہ ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو اللہ کی نافرمانی کا باعث بنے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر تمہاری نصیحت سے کوئی ایک آدمی بھی راہ ہدایت پر آجاتا ہے تو یہ تمام دنیا کے خزینوں سے بہتر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے داماد تھے۔ حضور ﷺ کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں ان کے نکاح میں آئیں۔ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ بھی بنے۔ ایک دفعہ تقریر فرمارہے تھے کہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میری چاہت صرف یہ ہے کہ حضور ﷺ کی امت گمراہی سے بچ جائے۔ جہنم کا ایندھن بننے کے بجائے جنت کے پر آسائش محلات تمہاری رہائش بنیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اتباع میں یہ فقیر بھی اللہ کی

قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ میرا نصیحت سے مقصد صرف آپ کی خیر خواہی ہے اور کچھ مقصد نہیں۔

تمام جہان کیلئے رحمت ﷺ:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کرنا مشکل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وما ارسلنٰک الّا رحمة للعالمین.

ترجمہ: (اے میرے پیارے!) ہم نے آپ ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

انسانوں پر رحمت:

آپ کی رحمت سے انسانوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے بعد میری امت کی شکلوں کو مسخ نہ فرمانا۔ اللہ نے دعا قبول کر لی، اسی کے صدقے ہم آج صحیح سلامت بیٹھے ہیں۔

جانوروں پر رحمت:

آپ ﷺ کی رحمت سے جانوروں نے بھی حصہ پایا۔ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے تو ایک اونٹ بلبلاتا ہوا آپ ﷺ کے قدموں میں آیا۔ آپ ﷺ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ اس بے زبان پر رحم کرو۔ یہ شکوہ کر رہا تھا کہ میرا مالک کام زیادہ لیتا ہے اور کھانے کو تھوڑا دیتا ہے۔ جانوروں کیلئے بھی آپ ﷺ رحمت تھے۔

دشمنوں کیلئے رحمت:

عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مزدوروں سب کیلئے آپ ﷺ رحمت ہی رحمت تھے اور تو اور سدا کے دشمن یعنی کفار مکہ کو بھی فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے یہ کہہ کر معاف فرما دیا کہ آج میں وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا تھا: جاؤ! تمہیں

کچھ ملامت نہیں۔

مقصد بعثت: اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانا:

دو جہاں کے لئے رحمت اس عظیم نبی ﷺ کی اس زمین میں تشریف آوری کا مقصد کیا تھا؟ تین بڑے مقاصد تھے: کتاب اللہ کی تعلیم، حکمت یعنی فقہ وغیرہ کی تعلیم اور تزکیہ نفوس۔ ان تینوں کا مقصد ایک ہی تھا کہ اللہ کا بول بالا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ

یعنی پیغمبر خدا کی تمہیں پیروی کرنی چاہئے۔ وہ تمہارے آئیڈیل ہیں۔ ان کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ اور مثال ہے اور تم اگر اللہ تک پہنچنا چاہتے ہو تو اس کا راستہ حضور ﷺ کی اتباع سے ہو کر جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قل إن کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ.

یعنی اللہ کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر شخص کیلئے نمونہ موجود ہے۔ حکمرانی کے طریقے، خدمت کے سلیقے، بادشاہی اور فقیری، سب حضور ﷺ کے در فیض میں ہیں۔ آزاد کیلئے آپ کی زندگی نمونہ ہے تو پابند کے لئے بھی نمونہ ہے کہ آپ شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ سے ملا دیں، ذلت کے گڑھوں میں پڑے ہوئے لوگوں کو نکال کر عزت کے آسمان تک پہنچا دیں، ذلیلوں کو معاشرے کا عزت دار آدمی بنا دیں۔

جلسے جلوس محبت کی دلیل نہیں:

یاد رکھئے! آپ ﷺ کی زندگی کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ آپ کیلئے جلوس نکالے جائیں۔ ان پر وقت اور پیسہ کا ضیاع کیا جائے، ان کا دن منایا جائے۔ جب حضور ﷺ کے صحابہؓ نے کوئی عید میلاد النبی نہیں منائی تو ان کے بعد کسی کو یہ عید منانے کا کیا حق باقی

رہ جاتا ہے؟ حضرت مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ فرماتے تھے: جیسے مشہور ہے کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ میں بنئے (ہندو) سے زیادہ چالاک ہوں تو وہ جھوٹ بول رہا ہے بالکل اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت ہے وہ صحابہؓ کی محبت سے زیادہ ہے تو یہ شخص جھوٹا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضور ﷺ سے جتنی محبت صحابہؓ کو تھی کسی اور کو ہو ہی نہیں سکتی۔ غور کیجئے:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے تین چیزیں بہت محبوب ہیں:

(۱)...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھتے رہنا۔

(۲)...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا مال خرچ کرنا۔

(۳)...... تیسرا یہ کہ میری بیٹی حضور ﷺ کے نکاح میں ہے۔

ان تینوں باتوں کا مرکز ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات تو ہے۔

جنگ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ کی خدمت میں گھر کا سارا سامان لاکر پیش کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! بیوی بچوں کیلئے کیا چھوڑا ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ محبت کی ایسی مثال مل ہی نہیں سکتی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت رسول ﷺ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو حضرت عمر بن الخطابؓ کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ میرے محبوب جدائی کا داغ میرے سینے میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ چنانچہ تلوار اٹھا کر کہنے لگے: ”جس کی زبان سے نکلے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، اس کا سر تن سے جدا کردوں گا۔“ اتنی محبت تھی کہ فوتگی کی خبر سننا بھی گوارا نہیں تھا۔

نکل جائے دم:

احد کے میدان میں ایک صحابی شدید زخمی ہوگئے تو ایک دوسرے صحابی نے ان کی آخری تمنا پوچھی تو کہا: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ ان کو کندھے

پر اٹھا کر لے گئے۔ جب حضور ﷺ کے سامنے ان کو اتارا تو انہوں نے اپنا چہرہ حضور ﷺ کی طرف کر کے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ ہمارے بزرگ اس موقع پر یہ شعر پڑھتے ہیں:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت، یہی آرزو ہے

دعووں کے بجائے عمل کی ضرورت:

آج محبت کے پیمانے بدل گئے، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مدینہ چلے جانا محبت ہے حالانکہ وہاں جا کر حضور ﷺ کا دل اور بھی دکھاتے ہیں۔ آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خوشبو لگائی، حلوہ پوری کھائی، غزلیں سنیں اور محبت کے سب تقاضے پورے ہو گئے...... میرے دوستو! سیرت کمیٹی بنانے کے بجائے سیرت پر عمل کرو۔ آقا ﷺ تو بھوک کی حالت میں پیٹ پر پتھر باندھیں اور امتی ایک من کیک کھا کر اور کئی من دودھ پی کر یہ سمجھیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق ادا کر دیا۔ یہ محبت نہیں ہے، معصیت ہے، حقیقی محبت کرنے والا تو محبوب کی ہر بات میں اطاعت کرتا ہے۔ خالی خولی دعووں سے کام نہیں چلاتا۔

آج کے اس پرفتن دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی زندگیاں خرافات میں لگانے کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح امتی بننے کی کوشش میں لگا دیں۔ عاشق وہی سمجھا جائے گا جس کی باتیں حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہوں، جس کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق ہو، سنت کے مطابق ہو تا کہ قیامت کے دن ہمیں حضور ﷺ کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے اور جب حوض کوثر پر ان سے ملاقات ہو تو وہ ہمیں دیکھ کر مسکرا پڑیں۔ ہمیں سینے سے لگالیں اور کوثر کا ایک جام عطا کر کے حیات سرمدی کا پیغام عطا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچا امتی بنائے۔ آمین

آقائے نامدار ﷺ کے دو حقوق

قال اللّٰہ تعالٰی ان اللّٰہ وملٰئکۃ یصلّون علی النّبی یاایّھا الّذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما.
وقال تعالٰی: قل ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتبعونی......
وقال تعالٰی من یطع الرّسول فقد اطاع اللّٰہ.

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی کرو۔
فرمادیجئے: اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کا دم بھرتے ہو تو میری پیروی کرو
جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء اور رسل میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا۔ آپ کو سید الانبیاء قرار دیا اور آپ کی ذات اقدس کو دنیا کیلئے ایک بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔

خالق کائنات نے تمام انسانوں کی صلاح وفلاح، شرف انسانیت کے حصول اور عبدیت کی تکمیل کیلئے اور اپنے تمام احسانات، سے انعامات سے بہرہ افروز کرنے کیلئے جب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو مثالی پیکر بنا کر مبعوث فرمایا تو یوں لگتا ہے کہ خود رب تعالیٰ کو، نعمت دینے والے کو مزہ آ گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کریم نے انسان پر اتنی نعمتیں نازل کی ہیں کہ فرمایا:

وإن تعدّوا نعمۃ اللّٰہ لاتحصوھا.

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔

اور فرمایا:

وما لکم من نعمة فمن اللّٰه.

ترجمہ: تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے یہ ہمارا ہی ہے۔

مگر عجیب بات یہ ہے کہ اتنی نعمتوں میں سے کسی نعمت پر اللہ نے احسان نہیں جتلایا ہاں! صرف ایک نعمت پر احسان جتلایا۔ ارشاد باری ہے:

لقد منّ اللّٰه على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولًا مّن أنفسهم.

ترجمہ: اے ایمان والو! حقیقت ہے کہ اللہ نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہارے اندر تمہاری ہی جنس سے ایک انسان کامل و مکمل کو بھیجا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو یہ نعمت اتنی پسند آئی کہ اس کو جتلایا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تمام نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت یہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف نہ لاتے تو ہمیں نہ اللہ کا پتہ چلتا، نہ ایمان کی حقیقت کا علم ہوتا، نہ اعمال کی کیفیات کا انکشاف ہوتا، نہ ہمیں اخلاقِ عالیہ کا کوئی نمونہ ملتا، ہم جانور ہوتے بلکہ شاید جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارتے۔

مسلمانوں پر اللہ کا ایک خصوصی انعام:

اللہ تعالیٰ نے ہم پر خصوصی طور سے ایک اور انعام بھی فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا، اگر وہ ہمیں سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیّدنا موسیٰ علیہ السلام یا سیدنا نوح علیہ السلام کی امت میں میں پیدا کر دیتا تو ہم کیا کر لیتے؟ پھر تو ہم نہ صرف اس فضیلت سے بھی محروم ہو جاتے بلکہ شاید ان برگزیدہ پیغمبروں کے مخالفین میں شامل ہو کر تباہ و برباد ہو جاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عفو و کرم:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لقد جاء كم رسول مّن أنفسكم عزيز عليه ما عنتّم حريصٌ عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم.

اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں۔ جن کو تمہارے نقصان کی بات بہت گراں گزرتی ہے، جنہیں تمہارا نقصان میں ہونا اچھا نہیں لگتا اور جو ہر وقت یہ چاہتے ہیں۔ اس بات کے خواہشمند رہتے ہیں کہ تمہیں کوئی نہ کوئی نفع ہو۔ بالخصوص ایمان والوں کے ساتھ تو ان کا معاملہ نہایت شفقت اور مہربانی والا ہے۔

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عفو و کرم کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے تو اپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو غیروں کیلئے بھی بلکہ تمام جہاں کیلئے رحمت و سلامتی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا مگر اپنے ماننے والوں کو سب کچھ دے گئے، لوگوں نے آپ کو پتھر مارے، آپ نے جواب میں پھول برسائے۔

برائی کے بدلے بھلائی (پتھروں کے جواب میں پھول):

طائف کے باشندوں کو جب آپ ﷺ توحید کی دعوت دینے پہنچے تو وہاں کے اوباشوں نے وعظ کے وقت آپ پر اتنے پتھر پھینکے کہ خون بہہ بہہ کر نعلین مبارک میں جم گیا، گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، اتنی ایذاؤں اور تکلیفوں کے باوجود ان میں سے کوئی شخص بھی مسلمان نہ ہوا۔ اتنے رنج و صدمہ کی حالت میں پہاڑوں کے نظم پر مامور فرشتوں نے طائف کی وادی کے اطراف میں واقع دو پہاڑوں کو ملا دینے کی اجازت مانگی تا کہ طائف والوں کو نیست و نابود کر دیا جائے مگر رحمت مجسم ﷺ نے اجازت نہیں دی بلکہ آقا ﷺ نے اس سفر میں ان کو بددعا دینا بھی پسند نہ فرمایا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان لوگوں کی تباہی کیلئے کیوں دعا کروں؟ اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور اللہ واحد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق:

غور فرمائیے! اتنی تکالیف سہنے کے باوجود لوگوں کا نقصان نہیں پسند فرمایا۔ ان کیلئے نفع ہی چاہا۔ آپ اگر چاہتے تو اسلام کے ان بدترین دشمنوں کو ایک ہی اشارہ سے خاک کا پیوند بنا سکتے تھے مگر ان کی خیر خواہی کی۔ ان کی آئندہ نسلوں کیلئے دعا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کیلئے یعنی ہمارے لئے اتنے فکر مند رہتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی اس دعا کو جو ضرور قبول ہونی تھی، آخرت میں اپنے امتیوں کی شفاعت کیلئے ذخیرہ فرمالیا لہٰذا ہم پر آپ ﷺ کے بہت سے حقوق ہیں۔

پہلا حق، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ایک حق تو یہ ہے کہ ہم اپنی جان، مال، اولاد، عزت، آبرو، رشتے دار کنبے قبیلے سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے محبت کریں اور جب تک ہم ایسا نہیں کریں گے تب تک ہمارا ایمان ناقص رہے گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں روایت کیا گیا ہے کہ:

لا يؤمن من أحدكم حتّٰى أكون أحب اليه من وّالده وولده والناس اجمعين.

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبت نہ کرے۔

مقصد زندگی:

میرے دوستو! جب یہ محبت دل و دماغ میں سماجاتی ہے تو پھر محبوب کی اطاعت مشکل نہیں رہتی، محبت میں تو دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا آسان لگتا ہے۔ میری ایک بات ضرور یاد رکھو کہ میں یہ بیان رسمی طور پر نہیں کرتا، الحمد للہ ایک پروگرام اور فکر کے تحت

کرتا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ امت محمدیہ کا ہر شخص، ہر شعبہ زندگی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی ہدایات سے واقف ہو اور ان کو اپنا مقصد زندگی بنائے۔ ہر شخص اتباع سنت کی دلکش زندگی سے روشناس ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہو جائے۔

عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہاء:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہر وقت سرشار رہتے تھے۔ دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے وہ حضور ﷺ کی سنت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ انہیں کوئی دیوانہ کہے، احمق سمجھے یا بے وقوف...... وہ ہر دم، ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اتباع سنت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، خود بھی صحابی تھے۔ ایک مرتبہ حج کے سفر پر تشریف لے جارہے تھے تو وہ کبھی راستہ چھوڑ کر دائیں ہو جاتے، کبھی بائیں طرف ہو جاتے، کہیں بیٹھ جاتے، کہیں کسی پتھر پر ہاتھ رکھنے لگتے۔ کسی نے کہا: یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا: میں نے اس راستے پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایک سفر کیا تھا۔ راستے میں آپ ﷺ نے جو کام بھی کیا وہ میں نے یاد کر لیا۔ وہ میری یادداشت میں محفوظ ہے۔ اب یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میں اس راستے سے گزروں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہ کروں؟ میں جو کچھ کر رہا ہوں یہ سب وہی ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا:

آج کا مسلمان عشق محمدی کے دعویٰ بھی کرتا ہے مگر آقا کی پیروی نہیں کرتا، آدھا تیتر، آدھا بیٹر ہے۔ کلمہ نبی کا پڑھتا ہے مگر طور طریق غیروں کے اپنائے ہوئے ہے۔

خدارا! اس دو رنگی کو چھوڑ دو، یک رنگی اختیار کرلو، بلند ہمتی کا مظاہرہ کرو۔ جب انسان بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتا ہے تو پھر بدر میں مٹھی بھر جماعت مسلم لشکر جرار کو خاک آلودہ کر دیا کرتی ہے۔ خیبر میں سینکڑوں من وزنی دروازہ ایک نیزہ کی نوک سے اکھڑ جاتا ہے۔ نعرہ تکبیر کی گونج سے قیصر وکسریٰ کے بلند وبالا قلعے زمین بوس ہوجاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کرو اور بلند ہمتی کی راہ اپناتے ہوئے آج کے لوگوں کے طعنے سنے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر سنت کو اپنانے کی کوشش کیجئے۔ اگر ایسا کرلیا تو پھر

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

دنیا کی تقدیر بدلنے والے:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس نکتے کو سمجھ لیا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے میں تن، من، دھن کی بازی لگادی تو نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے عرب وعجم کو ان کا فرمانبردار بنادیا بلکہ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے لوگ بھی پیدا کردیے جن کے رعب سے اس وقت کے بڑے بڑے بادشاہ کانپتے تھے اور ان کا حکم انسانوں اور ان کے دلوں پر ہی نہیں، دریاؤں پر، زمین پر اور ہوا پر بھی چلتا تھا۔

عقل ہے محو تماشائے بام ابھی:

وفا کی ایسی داستانیں رقم کیں کہ عقل محو تماشا رہ جاتی ہے۔ آتش نمرود میں عشق بے خطر کودتا نظر آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صحابی ہیں، اپنے باغ میں کوئی کام کررہے تھے۔ اطلاع آئی کہ دنیا اندھیر ہوگئی ہے، روشنی کا آفتاب و ماہتاب اس دنیا سے غروب ہوگیا۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں۔ فوراً دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے ”یا اللہ! میں نے اپنی ان آنکھوں سے اس عظیم ہستی کو دیکھا۔ میں اب ان آنکھوں سے کسی اور کو نہیں دیکھنا چاہتا۔ آنکھوں کی یہ

نعمت واپس لے لیجئے۔'' دعا قبول ہوگئی۔ زندگی بھر کیلئے تکلیف کو تو برداشت کرلیا مگر امت کو سکھا گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی طرف تمہاری نظریں نہیں اٹھنی چاہئیں۔ تمہیں اپنے ہر مسئلے میں خواہ اقتصادی ہو، معاشی ہو، سیاسی ہو یا دینی ہو انہی سے رہنمائی لینی چاہئے، ان کے علاوہ کسی کو نہ دیکھو۔ اللہ اکبر۔

محمدؐ کے دیوانے صحابہؓ، واقعی چنیدہ تھے:

ایک صحابی مسجد میں پریشان بیٹھے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا بات ہے، کیوں پریشان ہو؟ کہا آقا! دنیا میں آپ ﷺ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں، آخرت میں ہمارا کیا بنے گا؟ گویا کہہ رہے تھے کہ اگر آپ سے ملاقات نہ ہوئی تو جنت میں بھی گئے تو وہ بھی جہنم بن جائے گی۔ اللہ! اللہ! سچ ہے کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے یاروں کو خود ہی منتخب کیا تھا۔ ہم اس دور میں ہوتے تو منافقوں میں شمار کیے جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرء مع من أحبه

کہ آدمی جنت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی۔ یہ صحابی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔ ہمارا کیا بنے گا؟ ہمیں بھی چاہئے کہ آج دنیا میں رہتے ہوئے اپنے اختیار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر عمل کرلیں تاکہ آخرت میں حضور ﷺ کا ساتھ نصیب ہو۔

ایک عجیب ملفوظ:

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ سلسلہ نقشبندیہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے کوئی دن گناہ کے بغیر، معصیت کے بغیر گزارا، ایسا ہی ہے کہ اس نے وہ دن حضور علیہ السلام کے ساتھ گزارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع سنت سے اگر یہ مقام حاصل ہو جائے تو مہنگا سودا نہیں ہے۔

صرف محبت کا اظہار کافی نہیں:

ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہونی چاہئے، اطاعت کے ساتھ عظمت بھی ہمارے دل میں ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ جیسے میں کافی عرصہ پہلے کسی بڑے آدمی سے ملنے گیا تو باہر باوردی گارڈ کھڑا تھا۔ مجھے کچھ دیر انتظار گاہ میں بیٹھنا پڑا تو اندر سے بڑے صاحب نے کچھ مانگا تو اس نے اپنے دوسرے ساتھی گارڈ سے کہا کہ اندر وہ بے غیرت فلاں چیز مانگ رہا ہے۔ دوسرے نے کہا: اس پاگل کو گولی مار۔ اس کی وردی، کھڑے ہونے کے انداز اور بڑے صاحب کا باڈی گارڈ ہونے سے تو یوں لگتا تھا کہ وہ اس پر جان نچھاور کرنے کو تیار ہے مگر حالت یہ ہے کہ اس کا تذکرہ بھی گالی کے بغیر نہیں کرتا۔ اس طرح کی محبت نہ ہو بلکہ صحابہؓ جیسی محبت ہو، تابعین جیسی محبت ہو۔

سچ وہ ہے جس کا اقرار دشمن بھی کرے:

صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کرنے کیلئے مشرکین کا جو نمائندہ آیا تھا وہ صلح کی شرائط طے کرنے کے بعد جب واپس مکہ پہنچا تو مشرکین مکہ سے کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں نے بہت سے بادشاہوں کی مجلسوں اور درباروں کو دیکھا ہے مگر جو محبت میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اس کے صحابہ کی دیکھی ہے کہیں اور اس کی ادنیٰ سی مثال بھی مجھے نظر نہیں آئی۔ اس سے مقابلہ کرنا اور اس سے جنگ جیتنا بہت مشکل ہے۔ وہ تو اس کا تھوک بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ اللہ کرے کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی ہی محبت نصیب ہو جائے تا کہ ہم ہر شعبہ زندگی میں آپ کی اتباع کرنا شروع کر دیں۔
قرآن کریم میں غور کرنے سے بالکل واضح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قرب حاصل کرے گا وہ اسی قدر اللہ جل شانہ سے قریب ہوگا اور محبوب بندہ بن جائے گا۔ گویا اتباع سنت ہی عبادت کی روح اور حاصل بندگی ہے اور انسان کا جو کام سنت کے خلاف ہے، وہ عبادت نہیں ہے بلکہ جان بوجھ کر سنت کے خلاف کوئی کام

کرنا محرومیت کا سبب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا حق، درود شریف:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا حق ہم پر یہ ہے کہ اس نعمت عظیمہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجا کریں بلکہ اس کا حکم تو خود اللہ کریم نے فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

إن اللّٰـه وملائكته يصلّون على النّبيّ. ياايّها الّذين اٰمنوا صلّوا عليه وسلّموا تسليمًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضور ﷺ پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور تعریف وثناء کے شہہ ابرار بھی اس میں مگن رہتے ہیں لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی اس رحمانی وملکوتی فعل میں شامل ہو جاؤ اور اپنے آقا پر، اللہ کی نعمت عظیمہ پر شکر بجالانے کے واسطے حضور ﷺ پر درود بھیجا کرو۔

حضور نبی کریم ﷺ کی مجالس خیر و برکت

آپؐ کے اہل مجلس ایک دوسرے کی طرف تقویٰ کے سبب متواضعانہ طور پر مائل ہوتے تھے، ان میں بڑوں کی توقیر کرتے تھے اور صاحب حاجت کی اعانت کرتے تھے اور بے وطن پر رحم کرتے تھے۔

حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے میں حاضر ہو کر اس کو لکھ لیتا تھا (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے ساتھ حد درجہ دلداری اور بے تکلفی فرماتے تھے) جس قسم کا تذکرہ ہم لوگ کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی قسم کا تذکرہ فرماتے (یہ نہیں کہ بس آخرت کا ذکر ہمارے ساتھ کرتے ہوں اور دنیا کی بات سننا بھی گوارا نہ کریں) اور جس وقت ہم آخرت کی طرف متوجہ ہوتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخرت کے تذکرے فرماتے یعنی جب آخرت کا تذکرہ شروع ہو جاتا تو اسی کے حالات و تفصیلات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے اور جب کھانے پینے کا کچھ ذکر ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ویسا ہی تذکرہ فرماتے، کھانے کے آداب و فوائد، لذیذ کھانوں کا ذکر، مضر کھانوں کا تذکرہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ ہی کے حالات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ (خصائل نبوی)

آپ مجلس میں اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تو اپنے زانوئے مبارک کو ہم جیسوں سے آگے نہیں بڑھنے دیتے کہ امتیاز پیدا نہ ہو جائے۔ (زادالمعاد)

اگر کوئی شخص کھڑے کھڑے کسی بات کے متعلق سوال کرتا تو آپ ﷺ اس کو ناپسند فرماتے ور تعجب سے اس کی طرف دیکھتے۔

اگر کسی مسئلے کے بیان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصروف ہوتے اور قبل اس

کے کہ سلسلہ بیان ختم ہو کوئی شخص دوسرا سوال پیش کر دیتا تو آپ اپنے سلسلہ تقریر کو بدستور جاری رکھتے۔ معلوم ہوتا گویا آپ نے سنا ہی نہ ہو۔ جب گفتگو ختم کر لیتے تو سائل سے اس کا سوال معلوم کرتے اور اس کا جواب دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع ہوتے تو درمیان میں تشریف رکھتے اور صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حلقے پر حلقہ لگائے بیٹھے ہوتے اور آپ بوقت گفتگو کبھی ادھر کا رُخ کر کے تخاطب فرماتے اور کبھی اُدھر۔ گویا حلقہ میں سے ہر شخص بوقت گفتگو آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ لیتا۔

جب آپ ﷺ مجلس میں بیٹھتے تو دونوں پاؤں کھڑے کر کے ان کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے، ویسے بھی آپ کی نشست اسی ہیئت سے ہوا کرتی تھی اور یہ تازگی اور تواضع کی صورت ہے اور بعض اوقات آپ چاروں زانو بھی بیٹھتے اور بعض اوقات بغل میں ہاتھ دے کر بیٹھتے۔ (نشر الطیب)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا، بیٹھنا سب ذکر اللہ کے ساتھ ہوتا اور اپنے لئے بیٹھنے کی جگہ ایسی معین نہ فرماتے کہ خواہ مخواہ اس جگہ بیٹھیں اور اگر کوئی بیٹھ جائے تو اس کو اٹھاویں اور دوسروں کو بھی جگہ معین کرنے سے منع فرماتے تھے اور جب کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو جس جگہ مجلس ختم ہو جاتی وہیں بیٹھ جاتے اور دوسروں کو بھی یہی حکم فرماتے اور اپنے تمام جلیسوں میں سے ہر شخص کو اس کا حصہ اپنے خطاب و توجہ سے دیتے یعنی سب سے جدا جدا متوجہ ہو کر خطاب فرماتے یہاں تک کہ آپ کا ہر جلیس یوں سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپ کو کسی کی خاطر عزیز نہیں۔

جو شخص کسی ضرورت کے تحت آپ ﷺ کو لے کر بیٹھ جاتا یا کھڑا رکھتا تو جب تک وہی شخص اُٹھ نہ جائے آپ اس کے ساتھ مقید رہتے۔

جو شخص آپ ﷺ سے کچھ حاجت چاہتا تو بغیر اس کے کہ اس کی حاجت پوری فرماتے یا نرمی سے جواب دیتے اس کو واپس نہ کرتے۔

آپ ﷺ کی کشادہ روئی اور خوش خوئی تمام مسلمانوں کیلئے عام تھی اور کیوں نہ ہوتی آپ ان کے روحانی باپ تھے اور تمام لوگ آپ کے نزدیک حق میں فی نفسہٖ مساوی تھے البتہ تقویٰ کی وجہ سے متفاوت تھے اور دیگر تمام امور میں سب باہم مساوی تھے اور حق میں سب آپ کے نزدیک مساوی تھے۔

اہل مجلس کے ساتھ سلوک:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت کشادہ رو رہتے۔ نرم اخلاق تھے، آسانی سے موافق ہو جاتے تھے۔ نہ سخت خو تھے، نہ درشت گو تھے، نہ چلا کر بولتے اور نہ نامناسب بات فرماتے، جو بات یعنی خواہش کسی شخص کی، آپ کی طبیعت کے خلاف ہوتی تو اس سے تغافل فرماجاتے (یعنی اس پر گرفت نہ کرتے) اور (تصریحاً) اس سے باز پرس نہ فرماتے بلکہ خاموش ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے اپنے آپ کو بچا رکھا تھا:

(۱) ریا سے (۲) کثرت کلام سے (۳) بے سود بات سے

اور تین چیزوں سے دوسرے آدمیوں کو بچا رکھا تھا:

(۱) کسی کی مذمت نہ کرتے (۲) کسی کو عار نہ دلاتے

(۳) نہ کسی کا عیب تلاش کرتے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کلام فرماتے جس میں امید ثواب کی ہوتی اور جب آپ کلام فرماتے تھے، آپ کے تمام جلیس اس طرح سر جھکا کر بیٹھ جاتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے آکر بیٹھ گئے ہوں اور جب آپ ساکت ہوتے تب وہ بولتے، آپ کے سامنے کسی بات پر نزع نہ کرتے۔

آپ ﷺ کے پاس جو شخص بولتا اس کے فارغ ہونے تک سب خاموش رہتے یعنی بات کے بیچ میں کوئی نہ بولتا۔

اہل مجلس میں ہر شخص کی بات رغبت سے سنے جانے میں ایسی ہوتی جیسے سب سے پہلے شخص کی بات تھی (یعنی کسی کے کلام کی بے قدری نہ کی جاتی) جس بات سے سب

ہنستے، آپ بھی ہنستے، جس سے سب تعجب کرتے آپ بھی تعجب فرماتے یعنی آخر تک اپنے جلیسوں کے ساتھ شریک رہتے۔ پردیسی آدمی کی گفتگو پر تحمل فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی صاحب حاجت کو طلب حاجت میں دیکھو تو اس کی اعانت کرو۔

جب کوئی آپ ﷺ کی ثناء کرتا تو آپ اس کو جائز نہ رکھتے البتہ کوئی احسانات کے مکافات کے طور کرتا تو خیر (بوجہ مشروع ہونے کے اس ثناء کو بشرط عدم تجاوز حد کے) گوارا کرلیتے اور کسی کی بات کو نہ کاٹتے یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھنے لگتا اس وقت اس کو ختم کرادینے سے یا اُٹھ کر کھڑے ہوجانے سے منقطع فرمادیتے۔

الطاف کریمانہ:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان کو لایعنی باتوں سے محفوظ رکھتے تھے۔ لوگوں کی تالیف قلب فرماتے تھے اور ان میں تفریق نہ ہونے دیتے تھے اور ہر قوم کے آبرودار آدمی کی عزت کرتے تھے اور ایسے آدمی کو اس قوم پر سردار مقرر فرمادیتے تھے۔

لوگوں کو نقصان دینے والی باتوں سے بچنے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ ان کے شر سے اپنا بچاؤ رکھتے تھے مگر کسی شخص سے کشادہ روئی اور خوش خوئی میں کمی نہ فرماتے تھے۔ اپنے ملنے والوں کے بارے میں استفسار فرماتے تھے۔

لوگوں میں جو واقعات ہوتے تھے آپ ﷺ وہ پوچھتے رہتے تاکہ مظلوم کی نصرت اور مفسدوں کا انسداد ہوسکے اور اچھی بات کی تحسین اور تصویب اور بری بات کی تصبیح (مذمت) اور تحقیر فرماتے۔ (نشر الطیب)

سلام میں سبقت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع میں یہ بھی شامل ہے کہ جو بھی آپ کے پاس آتا آپ سلام کرنے میں سبقت فرماتے تھے اور آنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے تھے۔

اس جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کرنے والوں کیلئے بشارت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ظاہری حیات میں اس خوبی کے ساتھ متصف رہے تو اب

بھی ہر زیارت کرنے والا آپ کے سلام سے مشرف ہوتا ہوگا۔ چنانچہ بعض مقربین بارگاہ ایسے بھی ہوئے ہیں جو بطریق کرامت اپنے کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام سننے سے مشرف ہوئے ہیں۔ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کیلئے اس دنیوی حیات میں بھی رحمت ہیں اور بعد وفات بھی رحمت۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ (مدارج النبوۃ)۔

انداز کلام:

(روایت از حسن ابن علی رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت آخرت کے غم میں اور ہمیشہ امور آخرت کی سوچ میں رہتے۔ کسی وقت آپ کو چین نہ ہوتا تھا اور بلاضرورت کلام نہ فرماتے۔ آپ کا سکون طویل ہوتا تھا، کلام کو شروع اور ختم منہ بھر کر فرماتے (یعنی گفتگو اوّل سے آخر تک نہایت صاف ہوتی) کلام جامع فرماتے تھے جس کے الفاظ مختصر ہوں اور پر مغز ہوں۔ آپ کا کلام حق و باطل میں فیصلہ کن ہوتا جو نہ حشیو وزائد ہوتا اور نہ تنگ ہوتا۔

آپ ﷺ نرم مزاج تھے، مزاج میں سختی نہ تھی اور نہ مخاطب کی اہانت فرماتے۔ نعمت اگر قلیل بھی ہوتی تو کسی نعمت کی مذمت نہ فرماتے مگر کھانے کی چیز کی مدح اور مذمت دونوں نہ فرماتے۔ (مذمت تو اس لئے نہ کرتے کہ نعمت ہے اور مدح اس لئے زیادہ نہ فرماتے کہ اکثر اس کا سبب حرص اور طلب لذت ہوتی ہے)۔

جب امر حق کی کوئی شخص مخالفت کرتا تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کی تاب نہ لاسکتا تھا، جب تک اس حق کو غالب نہ کر لیتے۔ اپنے نفس کیلئے غضبناک نہ ہوتے اور نہ اپنے نفس کیلئے انتقام لیتے اور گفتگو کے وقت جب آپ اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے اور جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو ہاتھ کو لوٹتے اور آپ جب بات کرتے تو اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی سے متصل کرتے یعنی اس پر کر لیتے، اکثر ہنسنا آپ کا تبسم ہوتا اور اس پر جو دندانِ مبارک ظاہر ہوتے تو ایسے معلوم ہوتے جیسے بارش کے اولے۔ (نشر الطیب، شمائل ترمذی)

ہمارے مسائل کا حل
اسوۂ رسول اکرم ﷺ

برطانیہ کی ملکہ وکٹوریا جو دنیا کے پانچویں حصے پر حکمران تھی، ایک روز اس نے اپنے نامور اتالیق اور بعد میں بننے والے وزیراعظم لارڈ میلبورن سے دریافت کیا کہ آپ نے تاریخ عالم کا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے، اس میں آپ کو سب سے زیادہ حیرت انگیز بات کیا نظر آئی؟ لارڈ میلبورن نے بلا تامل جواب دیا۔ ''اسلام کا عروج'' ۔اس پر ملکہ نے سوال کیا کہ آپ نے اس کے اسباب پر بھی غور کیا؟ اس پر لارڈ میلبورن نے جواب دیا کہ ''میری سمجھ میں تو ایک ہی بات آئی ہے کہ ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہدایت کے لئے جو کتاب دی تھی اس میں اعلیٰ درجے کی بعض ایسی اخلاقی ہدایات بھی شامل تھیں جو انفرادی کردار بنانے کے علاوہ قوموں کی ترقی اور عروج کے لئے بنیاد کا کام کرتی ہیں، جب تک اس کتاب کے ماننے والے ان ہدایات پر عمل کرتے رہے، ترقی کی راہیں ان پر کھلی رہیں پھر جیسے جیسے انہوں نے اس سے بے اعتنائی برتنا شروع کی، وہ زوال پذیر ہونے لگے''۔ یہ سن کر ملکہ نے دریافت کیا: ''کیا آپ کا اشارہ ان اخلاقی اقدار کی طرف ہے جنہیں ہم بنیادی انسانی اوصاف کے نام سے جانتے ہیں یعنی سچائی، صبر، امانت، دیانت، رحم اور عدل؟'' ملکہ کے اس سوال پر لارڈ ملیبورن جوش میں آ کر یہ کہتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ''یقیناً ملکہ عالیہ! بالکل یہی بات ہے جو میں کہنا چاہتا ہوں، جب تک قومیں ان بنیادی اوصاف کی حامل رہتی ہیں، ترقی، تہذیب اور استقلال کی نعمت ان پر سایہ فگن رہتی ہے اور جوں جوں وہ ان اصولوں سے منہ موڑتی ہیں تو زوال، وحشت اور شکستگی ان کا مقدر بنتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنا تشخص

اور انفرادیت کھو بیٹھتی، اپنے سے قوی تر قوموں میں جذب ہو جاتی اور گمنامی کے گڑھوں میں گر کر فنا ہو جاتی ہیں''

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ آخر غیر مسلموں کی دنیاوی کامیابیوں و کامرانیوں کے اسباب کیا ہیں؟ وہ اقوام جو آج سے چند صدی قبل تک جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھیں، جنہیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ سمندر کے اس پار بھی ایک دنیا آباد ہے، وہ آج ستاروں پر کمند ڈال رہی ہیں اور زمین کے علاوہ دیگر سیاروں پر دنیا آباد کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ یہ اتنا بڑا انقلاب کیسے آ گیا؟ تو سنئے! ان کی کامیابی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خامیوں پر غور کیا۔ چونکہ ان کے پاس کوئی ضابطۂ حیات نہیں تھا لہٰذا انہوں نے مذاہب عالم کا مطالعہ کیا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام ہی وہ واحد آفاقی مذہب ہے جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کائنات میں غور وفکر کی دعوت قبول کی؟ انہوں نے قرآن کی ایک ایک آیت اور نبی برحق صلی اللہ علی وآلہ وسلم کی ایک ایک حدیث کو پرکھا، اس کی بنیاد پر تحقیق کی، نتیجتاً وہ لوگ جو سائنسی علوم میں چند صدی قبل تک مسلم سائنس دانوں کے سامنے طفل مکتب تھے، آج سائنس کی دنیا کے استاد کہلاتے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ اسلام صرف چند عبادات اور وظائف کا نام نہیں اور نہ ہی اس کی تعلیمات کسی مخصوص خطے یا زمانے تک محدود ہیں بلکہ یہ ایک عالمگیر مذہب اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور قرون اولیٰ کے مسلمان اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے لہٰذا انہوں نے اس کے آفاقی اصولوں کو اپنا کر پوری دنیا میں اپنا سکہ جما دیا اور صدیوں تک عالمی طاقت بنے رہے۔ مسلمانوں کے اس تاریخ ساز عروج کو دیکھ کر مغرب کے دانشوروں نے جب اس کا راز جاننا چاہا تو ان پر یہ عقدہ کھلا کہ مسلمانوں کے آفاقی مذہب نے انہیں حکومت، سیاست، معاشرت اور معیشت سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق چند بنیادی اصول بتائے ہیں اور وہی اصول ان

کی کامیابی کا اصل راز ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے معاشرے کو ان سنہری اصولوں پر استوار کرنے کے لئے ایک منظّم تحریک چلائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی ممالک یکے بعد دیگرے فلاحی ریاستوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے اور آج وہ دنیا بھر کے لئے ایک ''رول ماڈل'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں سوائے ندامت وشرمندگی کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ہم ایک ایک کر کے تمام سنتوں کو پس پشت ڈالتے چلے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ بدعات کو فروغ دے رہے ہیں یا رسوم ورواج کو یا پھر اپنے بدترین دشمن یہود وہنود اور نصاریٰ کے کلچر کو۔ آج ہر شخص اپنے مسائل کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے، نہ امیر کو سکون ہے نہ غریب کو۔ ہر طرف بے سکونی کا راج اور پریشانیوں کی یلغار ہے اور اسے بدقسمتی کہئے یا ''سادگی'' کہ ہم آفات ارضی وسماوی سے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں یا پھر زیادہ سے زیادہ اسے قدرت کی جانب سے آزمائش سمجھ کر سکوت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہماری بدبختی ملاحظہ فرمایئے کہ ہم میں سے کوئی بھی ان مصائب کو اپنے اعمال کی سزا سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں سچی توبہ کر کے گناہوں سے کنارہ کشی کرنا پڑے گی اور ظاہر ہے کہ یہ سب سے مشکل کام ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ زیادہ آسان ہے کہ خود کو اتنا نیک سمجھ لیا جائے کہ جس پر یکے بعد دیگرے آزمائشوں کا نزول ہی اس کے متقی ہونے کی دلیل ہے یا پھر خود کو مظلوم تصور کر کے ہر وقت اپنی مظلومیت کا رونا رویا جائے۔

درحقیقت اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہم پر جو حالات آ رہے ہیں، جو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اور جو پریشانیوں کی یلغار ہو رہی ہے، یہ نہ حیرت انگیز ہے اور نہ ہی انہونی بلکہ اگر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کا مطالعہ کیا جائے تو ہم پر یہ انکشاف ہوگا کہ یہ وہ ''ہونی'' ہے جسے ہو کر رہنا تھا کیونکہ مخبر صادق ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں خبردار فرما دیا تھا کہ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے اور آج ہم اپنی ہی بوئی

ہوئی کانٹوں کی فصل کاٹ رہے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مال غنیمت کو (گھر کی) دولت سمجھا جانے لگے اور امانت غنیمت سمجھ کر دبائی جانے لگے اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے اور (دینی) تعلیم دنیا کے لئے حاصل کی جائے اور انسان اپنی بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور ماں کو ستائے اور دوست کو قریب کرے اور باپ کو دور کرے، مساجد میں شور ہونے لگے، قبیلہ کے سردار بدترین لوگ بن جائیں، کمینے قوم کے سردار بن جائیں، انسان کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لئے کی جائے، گانے بجانے والی عورتوں اور آلات موسیقی کی کثرت ہوجائے، شراب برملا پی جانے لگے اور بعد میں آنے والے لوگ پچھلے (نیک) لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو پھر سرخ آندھی اور زلزلوں کا انتظار کرو، زمین میں دھنس جانے اور صورتیں مسخ ہوجانے اور آسمان سے پتھر برسنے کے بھی منتظر رہو اور ان عذابوں کے ساتھ دوسری ان نشانیوں کا بھی انتظار کرو جو پے درپے اس طرح ظاہر ہوں گی جیسے کسی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور پے درپے دانے گرنے لگیں (ترمذی شریف)۔

مختلف احادیث میں قیامت کی اور بھی بہت سی نشانیاں بتائی گئی ہیں مثلاً امت محمدیہ یہود ونصاریٰ کا اتباع کرے گی، آپس میں خانہ جنگی ہوگی، مسلمانوں کے بہت سے قبیلے مشرکین میں داخل ہوجائیں گے اور بتوں کو پوجیں گے، تیس کذاب ہوں گے جو خود کو نبی بتائیں گے، لوگ ظالم کو ظالم کہنے سے ڈریں گے، اقتدار کے نشے میں ضعیفوں و بے کسوں پر ظلم کیا جائے گا، ایسی عورتیں پیدا ہوں گی جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی جو غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی، قتل عام ہوجائے گا اور نہ قاتل کو قتل کی وجہ معلوم ہوگی اور نہ ہی مقتول کو قتل ہونے کی، علم اٹھ جائے گا، جہالت بڑھ جائے گی، زنا کی کثرت ہوگی، مرد کم ہوجائیں گے، نئے نئے عقیدے اور نئی نئی حدیثیں رائج ہوں گی، ہر بعد کا زمانہ پہلے سے برا ہوگا، کفر کی بھرمار ہوگی، انسان ذرا سی دنیا کے بدلے اپنے دین کو بیچ ڈالے گا، اسلام کا صرف نام رہ جائے گا، قرآن کی

صرف رسم باقی رہ جائے گی اور علماء سوء پیدا ہوں گے، مسجدیں سجائی جائیں گی اور ان پر فخر کیا جائے گا، حرام کی اولاد کثرت سے پیدا ہونے لگے گی، دین کو پست اور عمارتوں کو بلند کیا جائے گا، دین پر صبر کرنے والا اس طرح ہوگا جیسے آگ کا انگارہ پکڑنے والا، فتنوں کی کثرت ہوگی، زلزلے کثرت سے آئیں گے، نااہل لوگ حکمران بنیں گے اور ناپ تول میں کمی کی جائے گی۔ (صحیح بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، ترمذی، بیہقی، ابوداؤد)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی نشانیاں بتانے کے ساتھ ساتھ ان کے دنیاوی نتائج سے بھی آگاہ فرما دیا مثلاً جب امانت میں خیانت عام ہو جائے گی تو کافروں کا رعب مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دیا جائے گا۔ ذرا غور کیجئے کہ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی پر مشتمل 57 اسلامی ممالک میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے جو عالم کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے بلکہ یہاں تو مسلم حکمران خوفزدہ ہو کر اپنی قوم کو ڈراتے ہیں کہ اگر ہم نے کافروں کا حکم نہ مانا تو وہ ہمارے ملک کو تورا بورا بنا کر پتھروں کے زمانے میں پہنچا دیں گے حتیٰ کہ خود کافر اس بات پر حیران ہیں کہ آخر ایک ایٹمی طاقت ہم سے اس قدر مرعوب کیوں ہے؟ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ زنا کی سزا میں اموات کی کثرت ہوگی اور اسلامی قوانین ترک کرنے کی سزا میں قتل پھیل جائے گا۔

کون نہیں جانتا کہ حقوق نسواں آرڈیننس کے ذریعے زنا کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے اور مختلف ذرائع سے بدکاری کی بھرپور ترغیب دی جا رہی ہے جبکہ اسلامی قوانین ترک کرنا تو رہا ایک طرف، کھلے عام ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، داڑھی والوں کو دہشت گرد، باپردہ خواتین کو نقاب پوش ڈاکو، اسلامی سزاؤں کو ظلم (نعوذ باللہ) حتیٰ کہ اسلام کو ایک دقیانوسی مذہب قرار دے کر موجودہ دور میں ناقابل عمل قرار دیا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کراچی سے لے کر پشاور تک فرقہ وارانہ فسادات، خودکش حملے، بم دھماکے، ٹارگٹ کلنگ، فائرنگ کے واقعات، قبائلی جھگڑے، اپنوں کے ہاتھوں آپریشن، غیروں کی بمباری اور ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جانے کے نتیجے میں

روزانہ سینکڑوں افراد لقمۂ اجل بن رہے ہیں اور عجیب بات یہ کہ مرنے والے سب کے سب شہید جبکہ بچ جانے والے غازی!

آج اگر ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہر طرف سے عذاب میں گھرے ہوئے ہیں۔ زلزلے آرہے ہیں، سیلاب اور طوفان آرہے ہیں، کفار ہم پر بڑھ چڑھ کر حملے کررہے ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، غذائی بحران ہے، مہنگائی عروج پر ہے، نفسیاتی امراض اور خودکشیوں میں اضافہ ہورہا ہے، مفاد پرستوں کی حکمرانی ہے، ہزاروں لوگ فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، حادثات بڑھتے ہی جارہے ہیں، ایک عذاب سے سنبھلنے نہیں پاتے کہ دوسرا آجاتا ہے، گویا کہ کوئی لڑی ٹوٹ گئی ہے اور پے درپے دانے گر رہے ہیں اور یہ سزا ہے اپنے پیغمبر ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے منہ موڑنے کی۔

ہم اس نبی رحمت ﷺ کے امتی ہیں جسے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا اور آپ ﷺ نے پیدائش سے لے کر وفات تک، صبح بیدار ہونے سے لے کر رات کو سونے تک زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور قیامت تک اس امت کو پیش آنے والے تمام مسائل کا حل بھی بتادیا مگر ہم نہ جانے کس جنگل بیاباں میں بھٹک رہے ہیں۔ ہم آپ ﷺ پر ایمان بھی رکھتے ہیں، عاشق ہونے کے دعویدار بھی ہیں، آپ ﷺ کی تعلیمات کو دونوں جہاں کی کامیابی کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں لیکن ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار نہیں!

یاد رکھئے! خالق کائنات نے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی دنیوی واخروی کامیابی اپنے محبوب ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے سے مشروط کردی ہے اور رب کائنات کا ہر فیصلہ اٹل ہوتا ہے، جس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم کی گنجائش نہیں ہوتی لہٰذا ہم جس قدر جلد اس حقیقت تک رسائی حاصل کرلیں اتنا ہی بہتر ہوگا کہ کل بھی ہماری کامیابی وکامرانی کا واحد راستہ اسوۂ رسول اکرم ﷺ پر گامزن ہونا تھا، آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔

معجزاتِ نبوی ﷺ

معجزہ کی تعریف:

معجزہ اس امر خارق للعادۃ کو کہتے ہیں کہ جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز ہو تا کہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص برگزیدۂ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کیلئے اللہ نے غیب سے یہ کرشمۂ قدرت ظاہر فرمایا ہے اور لوگوں پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ تائید غیبی اس کی پشت پر ہے، یہ شخص کوئی ساحر اور کاہن نہیں کہ کوئی اس کا معارضہ اور مقابلہ کر سکے لہٰذا اگر کسی کو صلاح اور فلاح درکار ہے تو وہ صرف اس برگزیدہ ہستی پر ایمان لانے اور اس کی اتباع اور پیروی سے حاصل ہو سکتی ہے جس برگزیدہ ذات کو حق تعالیٰ نے اپنا خلیفہ، نائب، سفیر اور معتمد بنا کر بھیجا ہو، اس کی تکذیب اور مخالفت کا انجام سوائے شقاوت اور ہلاکت کے کیا ہو سکتا ہے۔

فانظر کیف کان عاقبة المکذّبین.

معجزاتِ علمیہ اور معجزاتِ عملیہ:

معجزات کی دو قسمیں ہیں: ایک معجزات عملیہ اور دوسری معجزاتِ علمیہ۔ معجزۂ عملی اس کو کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کے ہاتھ سے ایسا عمل یعنی ایسا کام ظاہر ہو کہ اس جیسا کام کرنے سے سب عاجز آ جائیں اور معجزۂ علمی اس کا نام ہے کہ مدعی نبوت سے ایسے علوم اور معارف ظاہر ہوں کہ ساری دنیا اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز ہو۔

حق جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قسم کے اس قدر کثیر معجزات

عطا فرمائے جو حد احصاء اور شمار سے باہر ہیں۔

قرآنِ حکیم سب سے بڑا معجزہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے جو علمی معجزہ ہے اور تمام انبیاء کے معجزات سے بڑھا ہوا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ علم کو عمل پر شرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں استادوں کی تعظیم کی جاتی ہے اور ہر ہر شعبہ میں افسروں کی تنخواہ اہلکاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ شرف علم ہی کا تو ہے، محنت تو اہلکار زیادہ کرتے ہیں۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی معجزہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں عمدہ ترین معجزہ ہے۔ ایسا معجزہ اور کسی پیغمبر کو عنایت نہیں ہوا۔ سب انبیاء اور مرسلین کے معجزے ایک خاص وقت میں ظاہر ہوئے اور ختم ہو گئے اور معجزۂ قرآن ایسا معجزہ ہے کہ جس کی جانب سوال انقطاع کو راہ نہیں۔ ابتداءِ نزول سے لے کر اب تک اسی طرح بلا تغیر وتبدل اور بلا کم وکاست باقی اور محفوظ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ معجزہ تا قیامت اسی طرح باقی رہے گا جس طرح آپ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

دوسرا معجزہ حدیث نبویؐ یعنی شریعت اسلام:

قرآن کریم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی معجزہ حدیث نبوی ہے جس کو شریعت اور ملت کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس کی کاملیت اور جامعیت کو دیکھ کر ادنیٰ عقل والا بھی اس یقین پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسے مافوق العقل اور مافوق الفطرت دستور اور آئین کا منبع اور سرچشمہ سوائے خداوند علیم وحکیم کی ذاتِ بابرکات کے کوئی ذاتِ انسانی نہیں ہو سکتی خاص کر کہ جو ذاتِ انسانی محض اُمّی ہو، جس نے نہ لکھا ہو اور نہ پڑھا ہو اس کی زبان سے ایسا محیر العقول علوم ومعارف کا چشمہ کیسے جاری ہوا کہ اس نبیٔ اُمّی کی زبانِ فیض ترجمان سے جو کچھ نکل رہا ہے وہ درحقیقت پس پردہ لسان غیب بول رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں سے جو آواز سنی وہ درحقیقت درخت کی

آواز نہ تھی بلکہ خداوند قدوس کی تھی اور یہ درخت بمنزلہ ٹیلیفون کے تھا کہ جو عالم غیب کی آواز کو حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا رہا تھا۔

اسی طرح اس نبی فداہٗ نفسی وابی وامی کو سمجھو کہ اس کی زبانِ فیض ترجمان سے جو کچھ نکل رہا تھا وہ وحی ربانی اور آوازِ یزدانی تھی، معاذ اللہ نطق نفسانی نہ تھا۔

وما ینطق عن الھویٰ. ان ھو الّا وحی یّوحٰی

اس لئے کہ شریعت اسلامیہ جن عقائد اور اعتقادات کی تعلیم دیتی ہے وہ خرافات اور بے اصل باتوں سے پاک اور منزہ ہیں اور عقلی اور نقلی اور فطری دلائل سے ثابت ہیں جن کی نسبت یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ عقائد قطعاً صحیح اور واقعی ہیں اور شریعت اسلامیہ نے جن مکارمِ اخلاق کا حکم دیا ہے اوّلین اور آخرین کے صحیفوں میں اس کی نظیر نہیں اور علی ہٰذا شریعت اسلامیہ نے جن عبادات اور معاملات اور افعال واعمال کا حکم دیا وہ بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفصیل اور مبدا اور معاد کے جو لاینحل عقدے شریعت اسلامیہ نے حل کئے ہیں وہ عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہیں۔

اور علماء فرنگ کا اقرار ہے کہ توریت اور انجیل اور عہد قدیم اور عہد جدید کے تمام صحیفے تعلیماتِ اسلامیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ نیز دنیا میں انبیاء اور حکماء اور سلاطین اور علماء لاکھوں کی تعداد میں گزرے مگر جس حیرت انگیز احتیاط کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات اور سکنات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ اور کلمات کو محفوظ کیا گیا، اوّلین اور آخرین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو محفوظ رکھنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال کی روایت کرنے والے ہزار ہا راویوں کی زندگیاں اس لئے زیرِ تحقیق لائی گئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے شک وشبہ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ علم اسماء الرجال کا منشاء یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور اعمال ایسے محفوظ ہوجائیں کہ سلسلہ سند اور طرق اور اسانید کو دیکھ کر پڑھنے والے کو وہ علم یقینی حاصل

ہو جائے جو عینی مشاہدہ کے مساوی اور ہم مرتبہ ہو۔ صحاح ستہ اور دوسری کتبِ احادیث کو دیکھنے سے انسان حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ کس حیرت انگیز انتظام اور اہتمام سے حدیث نبوی ﷺ کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے اور حضرات محدثین نور اللہ مرقدہم نے احادیث نبوی ﷺ کی صحت اور جانچ پڑتال کیلئے کس قدر سخت ضوابط اور قواعد مرتب کئے ہیں۔

موطا امام مالک اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ وغیرہ دنیا کے سامنے موجود ہیں مگر کسی ملحد اور زندیق کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ ایک لفظ کی بھی کمی اور بیشی کر سکے۔

پھر ان کتابوں کی مندرجہ احادیث میں سے ایک ایک حدیث کو تحقیق اور تدقیق کی کسوٹی پر کس کر ہر ایک حدیث کے تمام راویوں کا حال بتلا دیا اور ہر حدیث کا درجہ قائم کر دیا کہ یہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف ہے یا منکر ہے۔

پھر لطف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی روایت کرنے والا پہلا طبقہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے جس میں بحمدہٖ تعالیٰ ایک شخص بھی قسم کھانے کو دروغ گو ثابت نہیں ہوا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی، اتنی بڑی جماعت میں کسی فردِ واحد کی نسبت آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ اس نے کبھی جھوٹ بولا ہو۔ یہ نبی اُمی فداہ نفسی و ابی و امی کا اعجاز ہے کہ اس کے تربیت یافتہ افراد میں سے ایک فردِ واحد بھی جھوٹا نہیں نکلا۔ ان پہلے راویوں کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کے راویوں کی زندگیاں بھی عام طور پر کذب اور دروغ سے محفوظ پائی جاتی ہیں۔ ان سب کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی طرف سے کوئی بات نسبت کرنا گناہِ کبیرہ اور جرم عظیم ہے۔

آج دنیا میں کوئی حضرت مسیحؑ کا پیرو یہ نہیں بتا سکتا کہ ان کا سلسلۂ اسناد کیا ہے اور کس ذریعہ اور کس سند سے ان کو یہ انجیلیں اور حوارین کے رسائل اور خطوط ملے اور اس سلسلۂ اسناد کے راوی کون کون لوگ ہیں اور کون ان میں سے ثقہ اور معتبر ہے اور کون غیر

معتبر۔ علماء نصاریٰ حضرت مسیحؑ کا ایک کلمہ بھی سند متصل کے ساتھ نہیں پیش کر سکتے اور حضرات محدثین کا یہ حال ہے کہ بغیر سند کے کوئی لفظ ان کی بارگاہ میں قابل التفات ہی نہیں اور حدیث کی مشہور کتابیں اسی محفوظ زمانہ اور محتاط لوگوں کے عہد میں مرتب اور مدون ہوئیں اور مدون اور مرتب ہوجانے کے بعد ان کے مصنّفین ہی کے زمانہ سے لوگوں نے ان کا پڑھنا اور حفظ یاد کرنا شروع کر دیا اور آج تک ان کتابوں کی سندیں متواتر سلسلوں سے دنیا میں موجود ہیں اور مشرق اور مغرب کے علماء کے زیر درس ہیں۔

غور تو کیجئے کہ ایک ذاتِ بابرکات قدسی صفات کے اقوال وافعال کے محفوظ رکھنے کیلئے یہ انتظام اور یہ اہتمام کیا انسانی تدابیر اور جدوجہد کا نتیجہ ہے؟ یہ صرف تائید ربانی اور فضل یزدانی کا کرشمہ ہے کہ جو پردۂ غیب سے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے حدیث کی حفاظت کیلئے نمودار ہوا ہے۔ علم حدیث اور اس کے متعلقہ علوم وفنون پر غور کرنے کے بعد دنیا کی تمام تاریخوں کا مرتبہ نگاہ سے گر جاتا ہے اور بلاشبہ جو ذات تمام اقوام اور تمام ممالک کیلئے قیامت تک کیلئے ہادی اور رہبر بن کر آئی اس کی زندگی اور اس کے اقوال و افعال ایسے ہی معجزانہ طریقہ پر محفوظ ہونے چاہئیں کہ قیامت تک آنے والوں کیلئے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور جو شخص اس نبیٔ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو آنکھ سے دیکھنا چاہے تو حدیث نبوی ﷺ کے پردہ سے اس کو دیکھ سکے۔

یہ جو کچھ کہا گیا یہ حدیث نبوی کے اس اعجاز کا بیان تھا کہ جس کا تعلق روایت حدیث سے ہے یعنی الفاظِ حدیث کی بے مثال حفاظت سے متعلق ہے اور اگر حدیث نبوی ﷺ کے اعجاز کو روایت اور تفقہ کے اعتبار سے دیکھنا چاہتے ہو تو ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کی کتابیں دیکھو جس سے تم کو یہ معلوم ہوگا کہ قوانین شریعت کس درجہ دقیق اور عمیق ہیں کہ جن کے استنباط اور استخراج میں علماء امت اور فقہاء ملت کس درجہ حیران اور پریشان رہے باوجود غایت فہم وذکاء نصوص شریعت کی تحقیق اور تدقیق میں عمریں گزار دیں اور یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیر و تشنہ مستقسقی و دریا ہم چنیں باقی

جس طرح حضرات محدثین کا وجود نبیٔ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے اسی طرح حضرات فقہاء کا وجود بھی نبیٔ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلا معجزہ روایت کا، دوسرا معجزہ درایت کا ہے۔

تیسرا معجزہ علماءِ امت محمدیہ:

من جملہ معجزات کے اس امت کے علماء وصلحاء آپ کی نبوت ورسالت کا معجزہ ہیں کہ حق جل شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خیر الامم بنایا اور ایسا بے مثال حافظہ اور بے نظیر علم وفہم عطا کیا کہ اوّلین وآخرین میں اس کی نظیر نہیں۔ حضرات محدثین کو قوتِ حافظہ میں کراماً کاتبین کا نمونہ بنایا اور حضرات فقہاء کو قوتِ اجتہاد واستنباط عطا کی اور فہم وادراک ونکتہ سنجی ودقیقہ رسی میں ملائکہ مقربین کا نمونہ بنایا اور اولیاء عارفین کو اپنے عشق اور محبت کی دولت سے نوازا اور عرش عظیم اور بیت معمور کا لیل ونہار طواف کرنے والے فرشتوں کا نمونہ بنایا۔ کسی امت میں علماء اسلام جیسا علم اور فہم اور تحقیق وتدقیق کا نام ونشان نہ ملے گا اور نہ ان کی بے مثال اور بلند پایہ تصانیف کی کوئی نظیر نظر آئے گی۔

مغربی اقوام نے صنعت اور کاریگری میں حیرت انگیز کرشمے دکھائے مگر ان قوموں میں توریت اور انجیل کا نہ کوئی بخاری اور مسلم نظر آتا ہے کہ جس کو توریت وانجیل از بریاد ہو اور نہ یحیٰی بن سعید القطان اور یحیٰی بن معین جیسا اسماء الرجال کا حافظ وعالم پیدا ہوا۔ جن قوموں نے اپنے پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں دیدہ ودانستہ تحریف کر ڈالی ہو ایسی قوموں میں احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین جیسا حافظ حدیث ہونا ناممکن اور محال ہے اور نہ یہود اور نصاریٰ کے اوّلین وآخرین میں ابوحنیفہ اور شافعی جیسا فقیہ اور مجتہد نظر آتا ہے کہ جو دین ودنیا اور اعتقادات اور عبادات اور معاملات اور معاشرت اور سیاست ملکیہ ومدنیہ کے تمام مسائل کو توریت وانجیل کی نصوص کی روشنی میں حل کرسکے اور نہ

ابوالحسن اشعری اورابومنصور ماتریدی اورامام غزالی اوررازی جیسا کوئی متکلم کسی امت میں نظر آتا ہے کہ جب میدانِ مباحثہ ومناظرہ میں نکلے تو عقائد اسلامیہ کی تحقیق کیلئے عقلی و نقلی دلائل کالشکراس کے ساتھ ہواور دنیا اسلام کی سرفرازی اور سربلندی اور کفروباطل کی ذلت وخواری اور سرنگونی کا تماشا دیکھ رہی ہواور نہ جنید وشبلی اور بایزیداور معروف کرخی رحمہم اللہ جیسا عابدوزاہداور خداوند ذوالجلال کا عاشق اور مجنوں کسی امت میں پیدا ہوا۔

نہ خلیل بن احمد بن سیبویہ جیسا علم اعراب کا موجد وامام کسی ملت میں ہوااور نہ عبدالقاہر جرجانی اور سعد الدین تفتازانی جیسا اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کا امام کسی امت میں پیدا ہوا۔ علماء یہوداور علماء نصاریٰ عبرانی یا سریانی یا انگریزی زبان کی لغت میں کوئی لسان العرب اور قاموس اور تاج العروس جیسی کتاب تو دکھائیں، جمال الدین ابن حاجبؒ اور جامیؒ کا ذکر کیا کروں، میزان ومنشعب اور صرف میر ونحو جوصرف ونحو کی بالکل ابتدائی کتابیں ہیں روئے زمین کے علماء یہود ونصاریٰ عبرانی وسریانی یا انگریزی زبان کے متعلق کوئی میزان منشعب تو دکھائیں۔ بطور نمونہ ان چند علوم کا ذکر کردیا آگے قیاس کرلو۔

یہوداور نصاریٰ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ علماء اسلام کا شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کے علماء اور فضلاء سے موازنہ کر کے دیکھو، صنعتی اور حرفتی ترقی پر نظر نہ کرو، یہ علمی اوراخلاقی ترقی نہیں بلکہ یہ کاریگری ہے اس میں دن بدن ترقی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ علمی اور عملی اوراخلاقی ترقی سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اتباع کی برکت سے ہوئی، کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ شریعت اسلامیہ کی اتباع کی برکت سے علم و حکمت کے دروازے کھل گئے اور امت محمدیہ میں ایسے بے مثال علماء، فضلاء اوراولیاء اور اتقیاء پیدا ہوئے کہ کسی امت میں ان کی نظیر نہیں۔

چوتھا معجزہ:

وہ غیبی آوازیں ہیں کہ جو بہت سے کاہنوں وغیرہ کو جنگلوں اور بیابانوں میں سنائی

دیں کہ یہ نبی برحق ہیں جو من جانب اللہ مخلوق کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے ہیں اور انہی کی متابعت میں نجات ہے اس قسم کے معجزات کا بیان خصائص کبریٰ للسیوطی میں از ص ۱۰۱ تا ۱۱۰ جلد ا میں دیکھو۔

پانچواں معجزہ:

یہ ہے کہ شجر اور حجر میں سے ایسی آوازیں سنائی دیں کہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی اور آپ پر سلام تھا: ''السلام علیک یا رسول اللہ'' اور ایک بار حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کو بلایا تو حسب الحکم حاضر ہو گیا اور جب واپسی کا حکم دیا تو واپس ہو گیا۔

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک ہزار تک شمار کئے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ایک ہزار دوسو، بعض علماء نے تین ہزار۔

ائمہ حدیث نے معجزات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص کبریٰ کے نام سے رسالہ لکھا ہے جس میں ایک ہزار معجزات کا ذکر ہے۔

اس صدی کے محدث کبیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے سیرت المصطفیٰ میں لکھا ہے اور حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حساب وشمار سے متجاوز ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور عمل ہر حال میں عجیب وغریب مصالح اور اسرارِ حکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق للعادۃ اور معجزہ ہے۔ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی

زمانہ جیسے جیسے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ سعید سے دور ہوتا جارہا ہے اور لمحہ بہ لمحہ قیامت کے قریب ہورہا ہے آئے دن نئے نئے فتنے سر اٹھارہے ہیں، دن بدن دین سے دوری ہوتی جارہی ہے اور ذہن مسموم ہوتے جارہے ہیں، بے دین اور طاغوتی طاقتوں کا خلافِ دین پروپیگنڈہ اپنا پورا جوبن دکھارہا ہے، دین کی تعلیمات سے ناواقفیت، مذہب اور شارع علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ نہ ہونے کے سبب عجیب وغریب باتیں سننے میں آرہی ہیں۔ کفار کی تو بات ہی کیا ہے خود بعض مسلمان لاپرواہی سے ایسے مسائل پر گفتگو کرتے نظر آتے ہیں اور ایسی باتوں کو تنقید کا ہدف بنارہے ہیں جو ایمان کے سلب ہونے کا سبب ہیں۔ انہی مسائل میں ایک مسئلہ جو اکثر نئی روشنی کے لوگوں کے ہاں موضوعِ بحث بنا رہتا ہے وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد نکاح فرمانا ہے۔

مستشرقینِ یورپ، یہود اور دوسری کافر طاقتوں نے تو اس پہلو کو لے کر جس قدر زیادتی کی اس سے تو ہمیں غرض نہیں، اس لئے کہ ایک دشمنِ اسلام سے اس کے سوا اور توقع کیا ہوسکتی ہے، افسوس تو نئی روشنی کے مسلمانوں پر ہے جن کے ہاں یہ مسئلہ موضوعِ بحث بنا رہتا ہے اور تعدّدِ ازواج پر حیرت کا اظہار کرتے رہتے ہیں، اس نازک مسئلہ پر حقائق پیش کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

علومِ اسلامیہ کا سرچشمہ قرآنِ پاک اور جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہے، کسی بھی پیغمبر یا مصلح کی زندگی کا ہر پہلو آج تک انسانوں کے سامنے نکھر کر نہیں آیا اور نہ ہی محفوظ ہوا جس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر شعبے کی ہر بات محفوظ کی گئی ہے اور عوام کے سامنے کھل کر آ گئی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر احباب سے حکم فرمادیا

تھا کہ وہ ان کی ہر بات کو نوٹ کریں اور ازواجِ مطہرات کو حکماً ارشاد فرمایا گیا تھا کہ وہ ہر اُس بات کو نوٹ کریں جو رات کے اندھیرے میں دیکھیں، دن کے اجالے میں لوگوں کے سامنے بیان کر دیں، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ حیات میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا عملی نمونہ موجود ہے۔

چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قیامت تک کے لئے اور پوری دنیا کے لئے تھیں، اس لئے ان کی اشاعت کے لئے اور انہیں قلمبند کرنے کے لئے خاص اہتمام کیا گیا۔ اصحاب صفہ کی ایک مستقل جماعت اس بات پر مامور تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو نوٹ کریں علاوہ ازیں دوسرے احباب بھی آپ کے ایک ایک عمل کو بغور دیکھتے تھے اور کتنے حضرات ایسے تھے جو زبانِ مبارک سے نکلنے والے ہر لفظ کو تحریر میں لے آیا کرتے تھے۔

مردوں کی تعلیم کے لئے یہ اہتمام کافی تھا لیکن عورتوں کی تعلیم کے لئے ضروری تھا کہ عورتوں کی ایک جماعت اس مقدس تعلیم کو سیکھے اور پھر دوسری خواتین کو سکھلائے کیونکہ ذرائع ابلاغ محدود تھے، اس مقدس مقصد کے لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ازواج سے نکاح فرمائے اور انہیں علیحدہ علیحدہ مکان بنا کر دیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمام گھر دراصل خواتین کے لئے دینی درسگاہیں تھیں، اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ازواجِ مطہرات نے علومِ نبوت سے اس قدر حصہ پایا کہ بڑے بڑے اصحاب کو بھی بہت سے مسائل کے حل کے لئے ان سے رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اصحابِ رسول کی ایک جماعت ان کی شاگردی میں شامل رہی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو رئیس المفسرین شمار ہوتے ہیں انہی کے شاگردِ رشید تھے اسی طرح سے دوسری ازواجِ مطہرات کے گھر علم کا گہوارہ تھے۔

علومِ نبوت کی اشاعت میں جو فائدہ امت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہوا وہ آپ کی کسی دوسری زوجہ محترمہ سے نہیں ہوا۔ کتبِ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۲۱۰ رہے۔ حضرت عروہ بن زبیر مشہور فقہاء

میں شمار ہوتے ہیں، لکھتے ہیں: میں نے کسی کو معانی قرآن، احکامِ حلال وحرام، اشعارِ عرب اور علم الانساب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔"

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ نے مسلسل ۴۸ رسال تک علم دین پھیلایا، بڑے بڑے صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہمیں جب کسی مسئلہ میں شک ہوتا تھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کا علم پاتے۔ اسی طرح حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کی تعداد ۳۶۸ رہے اور حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ درج کیے جائیں جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد دیئے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہوسکتا ہے۔

اس مقام پر ہمیں انتہائی دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یورپی مستشرقین نے ان تمام حقائق کو نظرانداز کرتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاح فرمانے کو بھی ہدف تنقید بنایا اور نعوذ باللہ اسے نفسانی خواہشات کا شاخسانہ قرار دیا۔ حالانکہ اگر ایک انصاف پسند شخص طائرانہ نگاہ سے ہی پیغمبر رحمت ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرے تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوجائے گا کہ مدینہ طیبہ کے اس بےنفس انسان کی زندگی میں خواہش نفسانی کی تکمیل کے لئے ایک قدم یا کوئی ایک عمل بھی نظر نہیں آتا۔ آپ ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں پر غور فرمائیں تو اس الزام کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ رسالہ زندگی میں ۲۵ رسالہ زندگی مجرّد ہونے کی حیثیت میں گزاری اور یہ وہ زمانہ ہے جو شباب کا ہوتا ہے، اس پورے دور میں عفت و پاکدامنی کا وہ سکہ بٹھایا کہ جب ۴۳ رسال کی عمر میں صفا پہاڑی پر پورے مکہ کے عوام کے سامنے اپنے کردار کی چادر لہرا کر سوال کیا کہ کسی شخص کی نظروں میں کوئی بدنما داغ آرہا ہو تو وہ نشاندہی کردے تو پوری آبادی یہ کہنے پر مجبور ہوگئی کہ ہم نے آپ کو بارہا آزمایا اور سوائے صدق وسچائی کے کچھ نہ پایا، پوری دنیا مل کر چاہے کہ ایک ایسا لفظ ڈھونڈ لائیں جو عرب کی آبادی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کے بارے میں کہا گیا ہو تو سورج چاند بےنور ہوجائیں گے مگر وہ نہ لاسکیں گے۔

اس کے ساتھ ایک بات یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت سارا عرب وعجم مخالفت کے لئے کھڑا ہوا، قتل کے منصوبے بنائے، مجنون کہا، کذاب بتایا (پناہ خدا) غرض اس آفتاب عالم تاب پر خاک ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خود خاک آلود ہوئے، یہ سب کچھ کہا لیکن کسی کافر نے خواہشاتِ نفسانی اور عورتوں کے معاملے میں کسی وقت آپ پر کوئی الزام لگایا؟ نہیں ہرگز اور ہرگز نہیں۔

۲۵؍سالہ زندگی کا سفر مکمل ہو چکا تھا کہ جناب سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی، یہ خاتون عمر میں ۱۵؍سال بڑی تھیں اور اس سے قبل یکے بعد دیگرے دو شوہروں کے ہاں آباد رہ چکی تھیں اور کئی بچوں کی ماں بن کر معمر ہو چکی تھیں۔

اس پاک دامن خاتون کے ساتھ ۲۵؍سال تک زندگی گزاری اور اس دوران کوئی دوسرا نکاح نہ کیا، ان کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات سے حجرے آباد ہوئے، اب ایک انصاف پسند شخص غور کرے کہ ۵۰؍سال کی عمر وہ ہوتی ہے جس میں بڑھاپا شروع ہو جاتا اور جوانی کی امنگیں ختم ہو جاتی ہیں، پھر اس دور میں بھی جن ازواجِ مطہرات سے نکاح فرمائے ان میں سوائے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک بھی کنواری نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی نکاح فرمائے ان کی بنیاد میں بہت سے دینی وملّی مصالح کارفرما تھے، نفسانی خواہش کوئی مقصد ہی نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان موجود ہے:

مالی فی النّسآء حاجة.

ترجمہ: مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔

آیئے! ہم ایک سرسری نگاہ سے جائزہ لیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نکاحوں میں کیا مقاصد کارفرما تھے؟

ایک ہمہ گیر مقصد تو وہی تھا جس کی ہم نشاندہی کر چکے ہیں کہ ان حجرات کو آباد اس لئے کیا گیا کہ امت کی خواتین ان درسگاہوں سے رُشد وہدایت حاصل کر سکیں۔ اسی نیک مقصد کے لئے یہ نکاح ہوئے، ازواجِ مطہرات عورتوں سے متعلقہ مسائل بلا تکلّف پوچھ لیا کرتی تھیں اور دوسری خواتین ان سے یہ علم حاصل کر لیا کرتی تھیں، اگر یہ متعدد نکاح نہ

ہوتے تو بہت سے احکام جو عورتوں کے ذریعہ امت تک پہنچ سکتے تھے وہ سب مخفی رہ جاتے۔اس پاکیزہ مقصد کے علاوہ بہت سے دینی وملّی مصالح بھی ان نکاہوں کی تہہ میں موجود تھے۔

عربوں کی ایک عادت تھی کہ جوشخص ان کی دامادی میں آجاتا تھااس کے خلاف جنگ کرنا اپنی غیرت کے خلاف سمجھتے تھے، بہت سی شادیوں میں تو جزوی طور پر یہ مقصد بھی پوشیدہ تھا کہ اس قبیلے کے ساتھ باہمی منافرت کو دور کیا جائے تاکہ وہ لوگ قریب آسکیں اور اس راہ سے اخلاقِ نبوی کا مطالعہ کرسکیں تاکہ انہیں راہِ راست نصیب ہوسکے۔

مثال کے طور پر آپ دیکھیں جناب ابوسفیان اسلام لانے سے پہلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھے لیکن جب سرکار نے حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ابوسفیان کی شدید دشمنی میں کمی واقع ہوگئی اور وہ ایک مقام پر بھی آپ کے مقابل آتے ہوئے نظر نہیں آئے۔

اُمّ المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد قبیلہ بنومصطلق کے سردار تھے اور بدترین دشمنِ اسلام تھے لیکن جب اس پاکیزہ خاتون کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے تو پورا قبیلہ قزاقی چھوڑ کر اسلام قبول کرلیتا ہے اور متمدن زندگی گزارنا شروع کردیتا ہے۔

امّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خیبر کے سردار کی بیٹی تھیں، جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں یہود آپ کے مقابل نہ آئے جب کہ ان کی دشمنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ملک نجد میں اسلام کے پھیلانے اور امن وسلامتی کے لئے بہترین ذریعہ ثابت ہوا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح محض علومِ نبوت کو پھیلانے کی خاطر ہوا جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کے

لئے تھا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح متبنّٰے گری کی غلط رسم کو سرے سے اکھاڑ دینا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرورش کردہ ایک آزاد کردہ غلام تھے، جنہیں اس زمانہ میں لے پالک اور متبنّٰے پکارا جاتا تھا۔ متبنّٰے کے متعلق یہ رسم تھی کہ متبنّٰے بننے کے بعد لڑکا اپنے آپ کو اپنے باپ سے منسوب نہ کرتا بلکہ اپنے آپ کو اس شخص کا بیٹا کہتا جس نے اس کو اپنی فرزندی میں لیا ہو اور اس کی جائیداد کا وارث ہوتا تھا، اس رسم کی قباحتوں میں سب سے بڑی قباحت یہ تھی کہ اس رسم سے جدی املاک و جائیداد غیر مستحق شخص کو ملنے سے باہمی دشمنی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰے مشہور تھے۔ نبھاؤ نہ ہونے کی وجہ سے بالآخر طلاق ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر کے اس متبنّٰے گری کی غلط رسم کو سرے سے اکھاڑ دیا اور تمام دنیا پر ثابت کر دیا کہ لے پالک اور متبنّٰے ہرگز بیٹے کے ذیل میں نہیں آتے اور نہ ہی اس پر حقیقی بیٹا ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

یہ تو ایک نمونہ ہے، آپ جس نکاح میں بھی غور فرمائیں، سینکڑوں دینی و ملّی مصلحتیں نظر آئیں گی۔ اسی طرح بے کس یا مصیبت زدہ بیوگان کو سہارا دینے کی خاطر آپ نے بعض عورتوں سے شادی کی، اُحد کی لڑائی میں ستر صحابہ شہید ہوئے، جس کی وجہ سے مدینہ کے قریب نصف مسلم خواتین بیوہ ہوگئیں۔ بیوگان اور ان کے بچوں کا کوئی سہارا نہ تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیواؤں سے یعنی حضرت بی بی اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مسلمانوں نے دوسری بیواؤں سے خوشی خوشی نکاح کر لیا۔

یہ سب وہ ازواجِ مطہرات تھیں جو ابتدا ہی میں مسلمان ہوئی تھیں اور کفار کے ہاتھوں طرح طرح کے دُکھ اُٹھا کر جلاوطنی اختیار کر کے دوسرے ملکوں میں انہوں نے پناہ لی۔ ایک طرف تو وہ اپنے گھر بار چھوڑ چکی تھیں اور اپنی جائیداد اور آسائش کو قربان کر کے

صرف دین کی خاطر جلاوطنی اختیار کی تھی۔ اب دوسری مصیبت یہ آپڑی کہ ان کے خاوند جو محنت اور مشقت کر کے ان کو کھلاتے تھے، وہ بھی مر گئے یا جنگوں میں شہید ہو گئے اس بیکسی کی حالت میں ان کی تکالیف کا اندازہ کون کر سکتا ہے، اس بے کسی کی حالت پر رحم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی ازواجِ مطہرات ہونے کا شرف بخشا تا کہ جس عزت کو انہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر دینِ اسلام کی خاطر قربان کیا تھا اس سے بھی زیادہ عزت ان کو دنیا میں دی جائے۔

(احکامِ اسلام کی عقلی مصلحتیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

انصاف کی نظر رکھنے والی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں کہ ان میں نفسانی خواہش کا کوئی دخل نہ تھا، پھر بھی پیشِ نظر رہے کہ ایک دفعہ قریش کی طرف سے پیش کش ہوئی تھی کہ آپ اگر چاہیں تو ہم آپ کو عرب کا سردار تسلیم کر لیتے ہیں اور دولت چاہیں تو انبار لگا دیتے ہیں اور اگر حسین لڑکی سے شادی کرنا چاہیں تو ایک اشارہ کریں ہم اس مقصد کو پورا کر دیتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں تبلیغ دین سے نہیں رُک سکتا۔

نعوذ باللہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی خواہش ہوتی تو فوراً ہاں کر دیتے، اس لئے کہ یہ تو وہ زمانہ تھا جس میں آپ ایک بوڑھی خاتون کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔

ان تمام حقائق سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم اس مسئلہ کا ایک اور نظر سے بھی جائزہ لیں تو تعدّدِ ازواج کو باعث تنقید بنانا محض تعصب اور دشمنی کی بنیاد ہی قرار دیا جا سکتا ہے، ورنہ یہ تو کوئی عیب نہیں ہے، پھر یہ مسئلہ بھی ہر کسی کو معلوم ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں عام انسانوں کی نسبت بہت زیادہ طاقت ہوتی ہے۔

خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''میرے اندر چالیس جنتی آدمیوں کی طاقت ہے۔'' جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک مرد کے لئے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا، عرب، ہندوستان، مصر، یونان، بابل، آسٹریلیا وغیرہ کی ہر قوم میں کثرتِ ازواج کی رسم جاری تھی۔

موجودہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو حرم تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین، حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار چار بیویاں تھیں۔ عیسائیوں کے پادری برابر کثرتِ ازواج کے عادی تھی۔ سولہویں صدی عیسوی تک جرمنی میں اس کا عام رواج تھا۔ شری کرشن جی جو ہندوؤں میں بڑے واجب التعظیم اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں۔

(سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

افسوس ہے کہ مستشرقین کے نزدیک دوسرے انبیاء کا عمل ان کی تقدیس میں کوئی فرق نہیں ڈالتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف گیارہ نکاح فرمانا انہیں سخت ناگوار ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب انسان تعصب کی عینک لگالیتا ہے تو اُسے ہر چیز اُسی رنگ میں نظر آتی ہے جس رنگ کا شیشہ ہوتا ہے ورنہ حضورِ اقدس ﷺ کی زندگی وہ پاکیزہ زندگی ہے جس کا ایک ایک لمحہ انسانیت کے لئے مشعلِ ہدایت ہے، جس عظیم ہستی کے سامنے سونے چاندی کے انبار موجود ہوں اور خود اس کے گھر میں کئی روز سے آگ نہ جلی ہو، جس کے سامنے ہزاروں خدام صف در صف کھڑے ہوں لیکن وہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہوں، جنہیں اللہ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے رکھا ہو لیکن اس کی راتیں مصلّے پر رو رو کر کٹتی ہوں، جس نے نہ صرف اپنی زندگی بلکہ اپنی اولاد کی اور متعلقین کی پوری زندگی فقر و فاقہ کا نمونہ بنا کر رکھی ہو، جس نے پوری زندگی انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے گزاری ہو، جس نے ساری زندگی ایک کچے مکان میں جو کی روٹی کھا کر گزارہ کیا ہو، ایسی ہستی کے بارے میں اس قسم کا خیال کرنا کہ وہ نفس کے ہاتھوں (معاذ اللہ) مجبور تھے، انصاف کا خون کرنا اور شرافت کے تقاضوں کو پس پشت ڈالنا ہے۔

رب العالمین نے فرمایا:
آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔
رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو کبھی نہ بھٹکو گے، ایک اللہ کی کتاب قرآن کریم اور دوسری میری (نبی ﷺ کی) سنت (مشکوٰۃ، ص ۳۱)۔